فلسفہ عزاداری و قیام اما م حسینؑ

از

امنہٰ ای مدظلہ العالی1ولی امر مسلمین آیت اللہ العظمیٰ سید علی خ

آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہٰ ای نے محرم ۱۴۱۵ ھ کی آمد کے موقع پر ۲۹ ذی الحجہ ۱۴۱۴ ھ کے دن علمائ و طلابِ دینی کے ایک اجتماع کے سے یہ خطاب ارشاد فرمایا۔

نشر ولایت پاکستان
مرکزحفظ ونشر آثار ولایت
www.wilayat.com

عزاداری کی ماہیت

قیام حسینی ؑکی ماہیت

عزاداری کی ماہیت

محرم سے مربوط مسائل میں دو نوعیت کی باتیں ہیں، پہلی، عاشورائ کی تحریک کے بارے میں گفتگو ہے، اگرچہ بزرگوں نے امام حسین ؑکے قیام کے فلسلفے کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے، لکھا بھی ہے اور اس مفہوم پر بہت قیمتی گفتگو بھی فرمائی ہے لیکن اس تابناک و درخشاں حقیقت کے بیان کے لئے ایک عمر درکار ہے۔

عاشورائ کے مسئلے اور قیامِ حسینی پر جتنا ہی زیادہ غورو فکر کریں ،اس کے باوجود یہ مسئلہ مختلف پہلوو ں میں غور و فکر ، سوچ بچار اور گفتگو کی کشش اور گنجائش رکھتا ہے۔ جتنا بھی اس عظیم قیام کے بارے میں سوچیں، ممکن ہے(ہر مرتبہ) تازہ حقائق سے دوچار ہوں۔ یہ وہ پہلا مفہوم ہے جس کے بارے میں اگرچہ پورے سال گفتگو کی جاتی ہے اور کی بھی جانی چاہئیے لیکن محرم کو ایک خصوصیت حاصل ہے اور ایّام محرم میں اس مفہوم پر زیادہ سے زیادہ گفتگو کی جانی چاہئیے۔ جس طرح کرتے ہیں اور ان شائ اللہ آئندہ بھی کریں گے۔

Presented by www.ziaraat.com

محرم کی مناسبت سے گفتگو کے لئے دوسرا مفہوم، جس کے بارے میں کم ہی گفتگو ہوتی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ آج رات اس کے بارے میں کچھ گفتگو کریں وہ حسین ابن علیؑ کی عزاداری اور عاشورائ کا ذکر زندہ رکھنے کی برکات ہیں۔

مسلمہ طور پر دوسرے مسلمان بردران سے، شیعوں کے نمایاں امتیازات میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے یہاں واقعہ عاشورا موجود ہے۔

وہ دن کہ جب سے حسین ابن علیؑ کی مصیبت کے ذکر کا آغاز ہوا، اہل بیتؑ پر اعتقاد رکھنے والوں اور ان کے محبین کے قلب و ذہن میں فیض و معنویات کا ایک چشمہ جاری ہوا، جو آج تک اسی طرح مسلسل رواں دواں ہے اور ان شائ اللہ آئندہ بھی جاری و ساری رہے گا، اس کا سبب بھی واقعہ کربلا کی یاد مناتے رہنا ہے۔

عاشورائ کی یاد محض ایک واقعہ کا تذکرہ نہیں بلکہ ایک ایسے حادثے کا بیان ہے جس کے بے شمار پہلو ہیں۔ اس واقعے کی یاد درحقیقت خود ایک ایسا مفہوم ہے جو کثیر برکات پر منتہی ہوسکتا ہے۔

لہذا آپ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ آئمہؑ کے زمانے میں امام حسینؑ پررونے اور رلانے کا مسئلہ ایک خاص مقام رکھتا تھا۔ایسا نہ ہو،کسی ذہن میں خیال آئے کہ فکر و منطق اور استدلال کی موجودگی میں رونے اور قدیم ابحاث کی کیا گنجائش ہے؟

نہیں جناب ! یہ غلط فہمی ہے ان میں سے ہرچیز کا اپنا ایک مقام ہے، ان میں سے ہر ایک کا انسانی شخصیت کی تعمیر میں ایک حصہ ہے، جذبات و احساسات کا اپنا مقام ہے اور صرف منطق و استدلال کافی نہیں۔ آپ اگر جائزہ لیں تو دیکھیں گے کہ انبیائ کی تحریکوں میں، اُس وقت جب کہ انبیائؑ مبعوث ہوتے تھے تو پہلے مرحلے پر ان کے گرد جمع ہونے والے لوگوں کے اکھٹا ہونے کا اصل محرک منطق و استدلال نہ تھا۔

آپ کو پیغمبر اسلام ؐ کی تاریخ میں، جو ایک مدون اور واضح تاریخ ہے، نہیں ملے گا کہ مثلاً آنحضرت نے کفار قریش کے ایک با اہلیت اور صاحب استعداد گروہ کو بٹھایا ہو اور ان پر استدلال کیا ہو اور مثلاً کہا ہو کہ اس دلیل سے خدا کا وجود ثابت ہے یا اس دلیل سے خدا واحد ہے ،یا اس عقلی دلیل سے، بت باطل ہیں۔ پیغمبر اسلام ؐ کے استدلال بعد کے دور سے مربوط ہیں۔ عقلی دلائل اُس زمانے سے مربوط ہیں جب آپ ؐ کی تحریک آگے بڑھی ، ابتدائ میں آپ ؐ کی تحریک جذبات و احساسات پر مبنی تھی۔

پہلے مرحلے میں پیغمبر ؐ نے نا گہاں آواز بلند کی کہ ان بتوں کی جانب نظر اٹھاو ، دیکھو کہ یہ ناتواں ہیں، اسی مرحلے میں آپ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو خدا واحد ہے۔ " قولوا لااله الا الله تفلحوا "کس

Presented by www.ziaraat.com

دلیل سے " لااله الا الله " موجب فلاح ہے ؟ یہاں کون سا عقلی اور فلسفی استدلال پایا جاتا ہے؟ لیکن ہماری بحث اس بات میں ہے کہ جب نبی اپنی دعوت شروع کرنا چاہتا ہے تو فلسفی استدلال پیش نہیں کرتا، سچے احساس و جذبات کو سامنے لاتا ہے۔

البتہ وہ سچا احساس غیر منطقی اور غلط نہیں ہوتا، اپنے اندر خود ایک استدلال رکھتا ہے۔ ابتدائ میں یہ احساس معاشرہ میں جاری ظلم و ستم ، طبقاتی اختلافات نیز اس دباو کی جانب متوجہ کرتا ہے جو جنسِ بشر و شیاطینِ انس میں سے خدا بن بیٹھنے والے لوگ لوگوں پر روا رکھتے ہیں۔ پھر جب تحریک معقول اور معمول کی روش پر چل پڑتی ہے تو منطقی کی باری آتی ہے ۔ ایسے لوگ جو عقلی طور پر پختہ اور فکری نمو کے حامل ہوتے ہیں عام استدلال سے واقف ہوجاتے ہیں، بعض انہی ابتدائی درجات میں رہ جاتے ہیں، البتہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ لوگ جو استدلال کے اعتبار سے بلند درجے پر ہوتے ہیں وہ معنوی درجات کے لحاظ سے بھی لازماً بالاتر درجات پر ہوں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ لوگ جن کی عقلی سطح نیچے ہوتی ہے مبدائ غیبی اور پیغمبر ؐ کے ساتھ ان کا جوش وجذبات اور ارتباط و علاقہ زیادہ اور ان کی محبت زیادہ پرجوش ہوتی ہے اور یہی لوگ بالاترین درجات حاصل کرلیتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جذبات کا اپنا مقام اور اہمیت ہے، نہ ہی جذبات ،استدلال کی جگہ لے سکتے ہیں اور نہ استدلال جذبات کی،عاشورا ئ کا حادثہ اپنی ذات و طبیعت میں خود ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سچے جذبات کا ایک سمندر ہے۔بلند مرتبہ ، پاکیزہ ، منور اور بے عیب ملکوتی شخصیت رکھنے والا ایک انسان، ایک اعلیٰ ہدف کے لئے قیام کرتا ہے، ظلم و جور اور جنگ و عدوان سے معاشرے کی نجات کے لئے، جس کی صحت پر تمام منصفینِ عالم متفق ہیں۔

ایها الناس ! ان رسول الله قال : من رآی سلطانا جائرا "

" اے لوگو ! رسول الله ؐ نے فرمایا : جو کوئی کسی ظالم بادشاہ کو دیکھے ۔"

گفتگو یہ ہے کہ امام حسینؑ اپنی تحریک کا فلسفہ و مقصد ظلم سے مقابلہ قرار دیتے ہیں۔

" یعمل فی عباد الله بالجور والطغیان " یا " بالاثم والعدوان " لوگوں پر ظلم و ستم کرتا ہے۔"

بحث اس موضوع پر ہے۔

ایک ایسا انسان، مقدس ترین راہ میں ، جس کو تمام انصاف پسند قبول کرتے ہیں ،دشوار ترین جنگ کو برداشت کرتا ہے، دشوار ترین جنگ، عالم تنہائی میں لڑی جانے والی جنگ ہے۔،دوستوں کے نعروں اور عام لوگوں کی تحسین و آفرین کی صداو ں کے درمیان موت کا سامنا کرنا چنداں مشکل نہیں لیکن جب حق و باطل کی صف آرائی ہو اور پیغمبر ؐ اور امیر المومنینؑ (علیؑ) کی مانند کوئی حق کے محاذ

Presented by www.ziaraat.com

کے راس و رئیس کے طور پر کھڑا ہو اور کہے کہ ‘‘کون ہے جو میدان میں جائے؟ تو سب ہی لپکتے ہیں، پیغمبر ؐ میدان میں جانے والوں کے لئے دعا کرتے ہیں،ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں، چند قدم ان کے ساتھ چلتے ہیں، مسلمان ان کے لئے دعا مانگتے ہیں۔ اس کے بعد وہ میدان کی طرف جاتے ہیں، جہاد کرتے ہیں اور شہادت پاتے ہیں۔

یہ قتل ہونے اور جہاد کرنے کی ایک قسم ہے ،جہاد کی ایک اور قسم وہ جہاد ہے جب انسان میدان نبرد کی جانب قدم بڑھاتا ہے تو پورا معاشرہ یا تو اس سے منکر ہے یا غافل ، یا تو اس سے لا تعلق ہے یا اس کا مخالف، دل سے اسے قابل تحسین سمجھنے والے کم لوگ ہوں اور وہ بھی اس کی زبانی تحسین کی جرآت نہ رکھتے ہوں۔ یعنی عاشورائ کے حادثے میں عبداللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن جعفر جیسے لوگ کہ جو خود خاندان بنی ہاشم کا حصہ تھے، اس شجرہ طیبہ کا جز تھے، جرآت نہیں کرتے کہ آئیں اور آکے مکہ یا مدینہ میں صدا بلند کریں اور امام حسینؑ کے نام کا نعرہ لگائیں۔

یہ ہے غریبانہ جنگ، جنگوں میں دشوار ترین یہ جنگ ہے۔ سب اس انسان کے دشمن ہیں، سب اس سے روگرداں حتیٰ اس کے دوست بھی اس سے چشم پوشی کئے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ جب امام حسینؑ ایک شخص سے مدد کی درخواست کرتے ہیں تو وہ خود مدد کرنے کے بجائے اپنے گھوڑے کی پیش کش کرتا ہے کہ آئیے میرے اس گھوڑے سے استفادہ کیجئے۔

آیا اس سے زیادہ کوئی غربت ہوسکتی ہے اور اس سے زیادہ کوئی غریبانہ جنگ ہوسکتی ہے؟

اس جنگ کے دوران ان کی نگاہوں کے سامنے ان کے عزیز ترین فرزند قربان ہوئے ہیں، ان کے بچے ، بھتیجے ، بھائی ، چچا زاد بھائی اور بنی ہاشم کے پھول ان کے سامنے زمین پر بکھر رہے ہیں، حد تو یہ ہے کہ ان کا چھ مہینے کا بچہ بھی ذبح ہوجاتا ہے، ان سب کے علاوہ یہ بھی جانتے ہیں کہ جوں ہی ان کی روح جسم مطہر سے جدا ہوگی ان کے بے آسرا ہوجانے والے اہل و عیال پر یورش ہوگی۔ یہ بھوکے بھیڑئیے جوان بیٹیوں کو گھیر لیں گے، ان کو خوفزدہ کریں گے، ان کے اموال کو غارت کریں گے، انہیں اسیر بنائیں گے، ان کی اہانت کریں گے۔

امیر المومنینؑ کی عظیم بیٹی زینب کبریٰ جو دنیائے اسلام کی ممتاز خواتین میں سے ہیں، ان کے سامنے جسارت کریں گے۔ ابا عبداللہ الحسینؑ یہ سب کچھ جانتے تھے۔ ملاحظہ کیا۔ یہ جنگ ، یہ مقابلہ کس قدر سخت ہے۔

اس قدر عظیم المرتبت انسان، پاک ، مطہر اور منور ہستی ،وہ انسان جس کے دیدار کے لئے آسمانی فرشتے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ حسین ابن علیؑ کا دیدار کریں اور متبرک ہوجائیں، انبیائ و اولیائ جن کے مقام کے حصول کی آرزو کرتے ہیں وہ ایسے شدید اور ابتلائ

Presented by www.ziaraat.com

و آزمائشوں سے پر، مقابلے کے بعد جام شہادت نوش کرتا ہے۔
کون ایسا انسان ہے جس کے جذبات و احساسات اس حادثے پر مجروح نہ ہوں، اور کون انسان ہے جو اس حادثے کے بارے میں جانتا ہو، اِسے سمجھتا ہو اور پھر اس سے دلبستہ نہ ہو؟ یہ وہ پرجوش چشمہ ہے جو روز عاشور جاری ہوا، اُسی وقت جب(ایک نقل کے مطابق) زینب کبریٰ ؑ تل زینبیہ ؑ پر تشریف لے گئیں اور پیغمبر اکرم ؐ کو خطاب کرکے فرمایا،
" یا رسول اللہ صلی علیک ملائکہ السمائ ھذا حسینک مرمل بالدمائ مقطع الاعضائ مسلوب العمامہ والردائ"
" یا رسول اللہ آپ پر آسمان کے فرشتے درود بھیجتے ہیں، اور یہ آپ ؐ کا حسینؑ ہے جو خون میں ڈوبا ہوا ہے، جس کا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے اور جس کا عمامہ اور ردا چھن چکی ہے۔"
زینب نے باآوازِ بلند امام حسینؑ کا نوحہ پڑھنا اور ماجرے کو بیان کرنا شروع کیا ،وہ ماجرا جسے (ان کے دشمن)چھپانا چاہتے تھے ،وہ انہوں نے با آواز بلند نشر کردیا، کربلا میں بیان کیا، کوفہ میں بیان کیا ، شام میں بیان کیا، مدینہ میں بیان کیا اور یوں اس چشمے نے جوش مارنا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ آج بھی جوش مار رہا ہے ، یہ واقع عاشورائ ہے۔
ایک وقت ممکن ہے کسی کے پاس کوئی نعمت نہ ہو، لہذا اس سے اس نعمت کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر کسی کو نعمت میسر ہو تو پھر اس سے سوال ہوگا۔ ایک عظیم ترین نعمت حسین ابن علیؑ کی یاد ہے ،یہی مجالس عزائ کی نعمت ہے، محرم اور عاشورائ کی نعمت ہے جو ہم شیعوں کو میسر ہے۔ افسوس کہ ہمارے غیر شیعہ مسلمان بھائیوں کو یہ نعمت میسر نہیں، وہ اس نعمت عظیم کو حاصل کرسکتے ہیں، البتہ کہیں کہیں ان میں سے بعض لوگ امام حسینؑ کی عزاداری مناتے ہیں۔ لیکن (عام طور پر)عزاداری ان کے یہاں رائج نہیں، جبکہ ہمارے (شیعوں کے) درمیان رائج ہے۔
ان مجلسوں اور اس یاد سے کیا فائدہ اٹھانا چاہئیے؟ اس نعمت کے شکر کا طریقہ کیا ہے؟ یہ وہ بات ہے جسے میں آپ کے سامنے سوال کی صورت میں پیش کرنا چاہتا ہوں اور آپ اس کا جواب دیجئے؟
یہ نعمت اپنی تمام تر عظمت کے ساتھ دلوں کو اسلامی ایمان کے پرُ جوش سرچشمے سے متصل کر دیتی ہے،اس نعمت نے وہ کام کیا ہے کہ تاریخ میں ظالم حکمران عاشورائ اور امام حسینؑ کی مر قدِاطہر سے خوفزدہ رہے ہیں، یہ خوف بنی اُمیّہ کے خلفائ کے دور سے شروع ہوا اور آج تک جاری ہے اور آپ نے اس کا ایک نمونہ خود ہمارے انقلاب میں دیکھا ہے۔ جب محرم آتا تھا تو فاسق ، فاسد اور کافر و رجعت پسند پہلوی نظام کے کار ندے خود کو بے دست و پا اور عاجز و ناتواں پاتے تھے، انہیں معلوم تھا کہ محرم آگیا ہے۔ اس منحوس حکومت کی بچی کچی رپورٹوں میں صراحتاً ایسی باتیں موجود ہیں ،جن

Presented by www.ziaraat.com

سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محرم کی آمد پر ہوا س باختہ ہوجاتے تھے۔ اور ہمارے امام بزرگوار (رضوان اللہ علیہ) حکیم، دور اندیش ، دنیا شناس اور انسان شناس ہستی خوب جانتی تھی کہ امام حسینؑ کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے اس حادثے سے کس طرح استفادہ کیا جائے۔ آپ نے محرم کو شمشیر پر خون کی فتح کا مہینہ قرار دیااور اسی تجزیہ، منطق اور محرم کی برکت نے خون کو شمشیر پر فاتح کیا۔ یہ ایک ایسی مثال ہے جسے آپ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

اس نعمت سے استفادہ کرنا چا ہیے، لوگوں کو بھی اور علمائ کو بھی۔ عوام الناس اس سے اس طرح استفادہ کر سکتے ہیںکہ عزاداری کی مجالس میں دل سے شرکت کریں اور یہ مجالس برپا کریں، لوگوں کو چا ہیے کہ ہر سطح پر مجالسِ عزائ میں اضا فہ کریں،ان مجالس میں خلوص کے ساتھ شریک ہوں اور ان سے استفادہ کے لئے شرکت کریں ،صرف وقت گزاری کے لئے نہیں یا آمیانہ صورت میں محض ثوابِ اُخروی کے لئے نہیں کہ یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ اُخروی ثواب کیوں کر حاصل ہوتا ہے۔

مسلّما طور پر ان مجالس میں حا ضری اُخروی ثواب کی حامل ہے لیکن یہ اُخروی ثواب کس بنا پر ہے؟ کس وجہ سے ہے؟ اس ثواب کی یقینا ایک وجہ ہے اور اگر یہ وجہ مفقود ہو تو ثواب بھی نہ ہو گا، بعض لوگ اس وجہ اور سبب کی جانب متوجہ نہیں ہوتے۔

لوگوں کو ان مجالس میں شرکت کرنی چا ہیے، ان کی قدروقیمت کو جاننا چاہیے اور ان سے استفادہ کرنا چاہیے، لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان مجالس کو حسین ابنِ علیؑ، خاندانِ پیغمبر ؐ اور قرآن و اسلام کی روح سے ہر ممکن حد تک مضبو ط روحانی اور قلبی اتصال و ارتباط کا وسیلہ بنائیں۔

لیکن جو بات علمائ سے مربوط ہے وہ دشوار تر ہے،کیونکہ مجالسِ عزائ کی ماہیت یہ ہے کہ کچھ لوگ جمع ہوں اور ایک عالم اس مجلس میں شریک ہو اور مجلسِ عزائ برپا کرے تاکہ دوسرے لوگ اس سے استفادہ کر یں۔

آپ لوگ کس طرح مجلسِ عزائ برپا کرتے ہیں؟

میرا یہ سوال ان تمام لوگوں سے ہے جو اس مسئلہ کے بارے میں احسا سِ ذمّہ داری رکھتے ہیں،میری نظر میں مجلس میں تین چیزوں کو ہونا چاہیے۔

پہلی چیز یہ کہ مجالس محبت اہل بیتؑ میں اضافہ کریں،کیونکہ جذباتی تعلق ایک قیمتی تعلق ہے۔ لہذا آپ کو وہ کام کرنا چاہئیے جس کے ذریعہ ان مجالس میں شرکت کرنے والوں کی حسین ابن علیؑ خاندان رسول ؐ اور معرفت الہی کے چشموں سے محبت و تعلق میں روز بروز اضافہ ہو۔

اگر خدانخواستہ آپ ان مجالس میں ایسے حالات پید اکردیں کہ اس مجلس کے سامعین اور شریک فرد ،جذبات و احساسات کے لحاظ سے اہل بیتؑ سے نزدیک نہ ہو اور خدانخواستہ دور ہوجائے اور بیزاری

Presented by www.ziaraat.com

کا احساس کرے تو ایسی صورت حال میں مجلس عزائ نہ صرف اپنا ایک بڑا فائدہ کھو بیٹھے گی بلکہ ایک لحاظ سے مضر بھی ہو گی۔

اب اس حیثیت سے کہ آپ مجلس کے بانی اور خطیب ہیں، جائزہ لیجئے کہ کیا کام کیا جائے کہ ان مجالس میں شرکت سے حسین ابن علیؑ اور اہل بیت پیغمبر ؐ کے بارے میں لوگوں کے جذبات میں روز بروز اضافہ ہو۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ان مجالس میں لوگوں کے لئے واقعہ عاشورا کے بارے میں ایک واضح اور روشن تر معرفت وجود میں آئے ،ایسا نہ ہو کہ ہم مجلسِ حسین ابن علیؑ میں آئیں، ایک تقریر کریں، منبر پر جائیں یہاں تک کہ اگر اس مجلس میں غور و فکر کرنے والا کوئی شخص موجود ہو (آج انقلاب اسلامی کی برکات سے ہمارے معاشرے میں بکثرت ایسے افراد موجود ہیں) اور وہ سوچے کہ میں کیوں یہاں آیا ہوں، مسئلہ کیا تھا ؟ امام حسینؑ پر گریہ و زاری کرنا کیوں ضروری ہے ؟ امام حسینؑ آخر کربلا کیوں آئے اور عاشورائ کا واقعہ کیوں پیش آیا؟

(ہماری مجلس کو) ایسا ہونا چاہئیے کہ اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوں تو آپ اس کے سوال کا جواب دیں، پس آپ جو تقریر کرتے ہیں، جو اشعار پڑھتے ہیں اور جو مفاہیم بیان کرتے ہیں اگر ان میں ان معنوں کی جانب کوئی نکتہ نہ ہو حتیٰ ان کی جانب اشارہ تک نہ ہو تو ہم نے جن تین ارکان کا تذکرہ کیا ان میں سے ایک رکن کم یا ناقص ہے اور ممکن ہے اس مجلس سے ضروری فائدہ حاصل نہ ہو اور ممکن ہے خدا نخواستہ بعض مقامات پر نقصان بھی پہنچے۔

تیسری چیز جو ان مجالس میں ضروری ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگوں کی دینی معرفت اور مذہبی ایمان میں اضافے کا موجب ہوں، آپ کو چاہئیے کہ دین میں سے کوئی ایک ایسی چیز اس مجلس میں بیان کیجئے جو ایمان و معرفت میں اضافے کا سبب ہو، ایک صحیح نصیحت، ایک حدیث، تاریخ کا کوئی سبق آموز موضوع، ایک آیتِ قرآن کی تفسیر یا کسی عالم اور عظیم اسلامی مفکر کا کوئی نکتہ ان چیزوں میں سے ہیں، جنہیں بیان کیا جاسکتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم منبر پر جائیں، کچھ لفاظی کریں اور اگر کوئی بات بیان کریں بھی تو ایسی بے سر و پا جو نہ صرف یہ کہ سننے والوں کے ایمان میں اضافہ نہ کرے بلکہ لوگوں کا ایمان کمزور کردے۔

میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بدقسمتی سے کبھی کبھی ایسے مواقع دیکھنے میں آتے ہیں، کہ کسی مجلس کا خطیب ایسا مفہوم نقل کرتا ہے جو استدلال کے لحاظ سے بھی اور عقلی و نقلی مدرک کے اعتبار سے بھی بے سرو پا ہوتا ہے اور ایک بابصیرت اور منطق و استدلال رکھنے والے سامع کے ذہن پر بھی مضر اثرات مرتب کرتا ہے۔بعض لوگوں نے کتابوں میں کچھ ایسی باتیں لکھی ہیں

Presented by www.ziaraat.com

جن کے جھوٹا ہونے کی کوئی دلیل ہمارے پاس موجود نہیں۔ ممکن ہیں صحیح ہوں اور ممکن ہے غلط۔ ان کے جھوٹا ہونے پر کوئی دلیل نہیں، لیکن جب آپ اس کو بیان کریں اور آپ کا سامع جو ممکن ہے ایک جوان ہو، ایک طالب علم ہو، ایک جانباز ہو، یا ایک انقلابی ہو (کہ بحمدا للہ انقلاب نے ذہنوں کو کھول دیا ہے) اس چیز کو آپ سے سنے اور ممکن ہے اس کی وجہ سے دین کے بارے میں اس کے دل میں کوئی شک و شبہ ایجاد ہو اور اس کے ذہن میں ایک گرہ پڑجائے۔ لہذا کوئی ایسی بات نہیں کہنی چاہئیے، حتیٰ اگر اس مفہوم کی سند بھی درست ہو لیکن کیونکہ یہ بات انحراف و گمراہی کا موجب ہے اس لئے اسے نہیں کہنا چاہئیے ،چہ جائیکہ ان میں سے اکثر چیزیں درست سند بھی نہیں رکھتیں۔

ایک شخص کسی سے کوئی بات سنتا ہے، ایک نے نقل کیا ہے کہ میں فلاں جگہ پر تھا ، فلاں سفر میں فلاں واقعہ رونما ہوا خطیب نے کسی سند کے ساتھ یا بغیر کسی سند کے یہ بات بیان کی اور سامع نے بھی اس پر یقین کرلیا اور پھر اتفاق سے اس نے اسے کسی کتاب میں بھی نقل کردیا،

ہم کیوں ایسی بات کہیں جو ایک بڑے مجمع اور ذی فہم اور باشعور شخص کے لئے قابل قبول نہ ہو؟ کیا انسان پر ہر وہ چیز بیان کردینا لازم ہے جو کہیں تحریر ہو؟آج یہ ہمارے معاشرے کا ایک تمدنی بحران ہے۔

ہم انقلاب سے پہلے کہتے تھے کہ پڑھے لکھے جوان، لیکن آج پڑھے لکھے لوگ محض جوانوں تک محدود نہیں بلکہ جوانوں کے علاوہ بھی زن و مرد، لڑکے لڑکیوں کے اذہان روشن ہوچکے ہیں،وہ مسائل کو نگاہ بصیرت سے دیکھتے ہیں، سمجھنا چاہتے ہیں، ان لوگوں کو شبہات کا سامنا ہوتا ہے، یہ ہمارے زمانے کا تمدنی بحران ہے، نہ صرف ہمارے دشمن بلکہ ہماری اور آپ کی فکر کے منکرین بھی شبہات پیدا کرتے ہیں،کیا یہ کہا جاسکتا ہے جو کوئی ہماری فکر کو قبول نہیں کرتا ،گونگا ہوجائے، زبان نہ کھولے اور کوئی شبہہ پیدا نہ کرے؟ (جب کہ دوسرے) شبہات پیدا کرتے ہیں، باتیں بناتے ہیں، مفاہیم پھیلاتے ہیں، شک و تردید ایجاد کرتے ہیں، لہذا آپ ایسی چیز بولئیے جو شبہات کو دور کرے، ایسی بات نہ کیجئے جو شبہات میں اضافہ کرے۔

بعض لوگ اِس اہم ذمہ داری پر توجہ کئے بغیر بالائے منبر ایسی گفتگو کرتے ہیں، جو نہ صرف یہ کہ سامع کے ذہن میں موجود کسی گرہ کو نہیں کھولتی بلکہ اس کے ذہن میں مزید گرہیں ڈال دیتی ہے، فرض کیجئے اگر ہم بالائے منبر ایک بات کہیں، جس سے دس، پانچ یا صرف ایک ہی جوان دین کے کسی مسئلے میں شک و شبہ کا شکار ہوجائے، وہ چلا جائے اور ہم اسے پہچانتے نہ ہو، تو کس طرح اس کا ازالہ کریں گے؟ کیا کسی صورت اس کی تلافی ممکن ہے؟ کیا خدا ہمیں معاف کردے گا؟ مشکل

Presented by www.ziaraat.com

مسئلہ ہے۔

پس خطاب کو تین محوروں پر مشتمل ہونا چاہئیے، پہلا یہ کہ حسین ابن علیؑ اور اہل بیت پیغمبر ؐ سے جذباتی لگاو میں اضافہ کرے اور احساس و جذبات کے بندھن کو مضبوط کرے۔ دوسرے یہ کہ عاشورائ کے بارے میں سامع کو ایک واضح اور روشن نظریہ دے اور تیسرے یہ کہ معارف دینی کے بارے میں معرفت بھی پیدا کرے اور ایمان بھی ایجاد کرے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر خطاب میں لازماً یہ تمام چیزیں موجود ہوں، آپ اگر ایک معتبر کتاب سے ایک صحیح حدیث نقل کرکے حدیث میں اس قدر گل کاریاں کرتے ہیں کہ اس کے اصل معنی ہی ختم ہوجاتے ہیں۔ اگر آپ اسی ایک حدیث کے صحیح معنی کریں تو ممکن ہے جو ہم چاہتے ہیں اس کا ایک بڑا حصہ اس میں موجود ہو، اگر آپ ایک معتبر تفسیرسے ایک آیہ قرآن کو غور و فکر ، مطالعہ اور تجزیہ کے بعد بیان کریں تو مقصود حاصل ہوجائیگا،اور مصائب کے ذکر کے لئے مرحوم محدث قمی کی نفس المہموم کھول کر پڑھ دیجئے، آپ دیکھیں گے اس سے سامع پر گریہ طاری جائے گا، جذبات میں ہیجان بپا ہو گا۔

کیاضروری ہے کہ ہم اپنے خیال میں مجلس جمانے کے لئے ایسے کام کریں جن سے مجلس عزائ اپنے اصل فلسفے ہی سے جدا ہوجائے؟ میں حقیقتاً اس بات سے وحشت زدہ ہوں کہ کہیں ہم خدانخواستہ اس زمانے میں جو کہ اسلام کے ظہور و نمو اور اسلام اور فکر اہل بیتؑ کی تجلی کا دور ہے اپنے فریضے کو انجام نہ دے سکیں۔

ایک چیز ہے، جو لوگوں کو خدا اور دین سے نزدیک کرتی ہے، یہ سنتی عزاداری ہے جو لوگوں کو دین کے قریب لاتی ہے۔ امام (خمینی۲) نے فرمایا ہے کہ " سنتی عزاداری بپا کیجئے۔" مجالس میں بیٹھنا ، مصائب پڑھنا ، گریہ کرنا ، سر و سینہ پیٹنا، عزاداری کے جلوس، ماتمی انجمنیں ، یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو اہل بیتؑ کے لئے جذبات کو ابھارتی ہیں، جو ایک بہت اچھی چیز ہے۔

اس کے برخلاف ایک اور چیز ہے جو لوگوں کو دین سے منحرف کردیتی ہے، انتہائی افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ گزشتہ تین چار برسوں میں ایسے کاموں کا آغاز ہوا ہے جنہیں میرے خیال میں بعض (پوشیدہ) ہاتھ ہمارے معاشرے میں ترویج دے رہے ہیں، جنہیں جو کوئی دیکھتا ہے اس کے ذہن میں سوال ابھرتا ہے،قدیم زمانہ میں عوام الناس کے ایک طبقے کا معمول تھا کہ عزاداری کے ایام میں اپنے جسم کو قفل لگاتے تھے، بزرگ علمائ نے اس کی مخالفت کی اور یہ رسم ختم ہوگئی، اب پھر اسے دوبارہ شروع کیا گیا ہے اور میں نے سنا ہے کہ مختلف مقامات پر بعض لوگ قفل لگاتے ہیں، یہ کیا کام جسے بعض لوگ انجام دیتے ہیں؟ قمہ زنی بھی اسی طرح ہے، قمہ زنی بھی غلط کاموں میں سے ہے،مجھے

Presented by www.ziaraat.com

معلوم ہے کہ بعض لوگ کہیں گے کہ حقیقت یہ ہے کہ فلاں صاحب کو قمہ کا نام نہیں لینا چاہئیے تھا، آپ کو کیا ، چھوڑئیے، انہیں لگانے دیجئے۔

نہیں جناب! ایسا نہیں ہوسکتا، جس طرح گزشتہ چار پانچ برسوں اور جنگ (ایران عراق جنگ کی جانب اشارہ ہے) کے بعد قمہ زنی کی ترویج کی جارہی ہے، اگر ایسا امام ۲ (خمینی) کی حیات مبارکہ میں ہوتا تو قطعی طور پر وہ اس کی مخالف میں کھڑے ہوجاتے (حاضرین کا نعرہ تکبیر) ۔ یہ ایک غلط عمل ہے کہ بعض لوگ قمہ ہاتھ میں لے کر اپنے سر پر ماریں اور خون بہائیں، یہ کیا عمل ہے؟ کس طرح اس کام کو عزاداری میں سے کہا جاسکتا ہے؟ قمہ سر پر مارنا عزاداری ہے؟

اگر آپ دیکھیں تو جن لوگوں کو مصیبت پیش آتی ہے وہ اپنا سر و سینہ پیٹتے ہیں،یہ ہے عزاداری ، آپ نے کہاں دیکھا ہے کہ ایک شخص اپنے محبوب ترین عزیز کے غم میں اپنی تلوار اپنے سر پر مارتا ہو اور اپنے سر سے خون بہاتا ہو،کس اعتبار سے یہ کام عزاداری ہے؟ یہ جعلی کام ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جو دین کا حصہ نہیں ہے، بے شک خدا ان کاموں سے راضی نہیں ہے۔

علمائ سلف(گزشتہ) کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ یہ باتیں نہیں کہہ سکتے تھے، لیکن آج اسلام کی حاکمیت اور اسلام کی تجلی کا زمانہ ہے، ہمیں ایسے کام نہیں کرنے چاہئیں کہ اعلیٰ اسلامی اقدار کا حامل ہمارا معاشرہ ، یعنی محبان اہل بیتؑ کا معاشرہ ، وہ معاشرہ جس کے لئے ولی عصرؑ (ارواحنا فداہ) حسین ابن علیؑ اور امیر المومنینؑ کے اسمائے مبارک باعث افتخار ہیں ،مسلمانان عالم اور غیر مسلموں کی نظر میں ایک خرافات پرست اور بے منطق گروہ کے طور پر پہچانا جائے۔

میں نے جس قدر سوچا ، غور و فکر کیا، اس نتیجے پر پہنچا کہ کسی طور ممکن نہیں کہ اس قطعی بات اور بدعت سے اپنے عزیز عوام کو آگاہ نہ کروں،یہ عمل انجام نہ دیجئے میں قطعاً اس سے راضی نہیں، اگر کوئی قمہ زنی کا مظاہرہ کرے تو میں دلی طور پر اس سے ناراض ہوں، یہ جو میں نے (مظاہرے والی بات) عرض کیا اس لئے ہے کہ کسی زمانے میں کسی مقام پر چند لوگ جمع ہوتے تھے اور یہ کام کرتے تھے ، ایسا ایک گوشے میں ہوتا تھا،کوئی انہیں نہیں دیکھتا تھا،ا س طرح مظاہرہ نہیں ہوتا تھا، لہذا کسی کو ان سے کوئی غرض بھی نہ تھی، اب یہ بات خواہ اچھی تھی یا بری لیکن ایک محدود دائرے میں انجام پاتی تھی، لیکن جب یہ طے کیا جائے کہ چند ہزار لوگ اچانک تہران، قم، آذربائیجان کے کسی شہر یا خراسان کی کسی شاہراہ پر قمہ ہاتھوں میں لئے ظاہر ہوں گے اور انہیں اپنے سر پر ماریں گے تو یہ بات قطعاً غلط ہے ،امام حسینؑ اس کام سے راضی نہیں۔ مجھے نہیں معلوم اس کام کا آغاز کہاں سے ہوا اور کون سی ذہنیت اسے ہمارے اسلامی اور انقلابی معاشرے میں لارہی ہے۔

حال ہی میں زیارت کے حوالے سے ایک عجیب و غریب اور نا مانوس بدعت ایجاد کی گئی ہے، آپ

Presented by www.ziaraat.com

ملاحظہ فرمائیے کہ پیغمبر ؐ اور آئمہ ہدیٰؑ کی قبور مطہر کی سب زیارت کرتے ہیں، پیغمبر اسلام ؐ اور امام حسینؑ کے مزارات کی ہمارے آئمہؑ امام جعفر صادقؑ، امام موسیٰ ابن جعفرؑ اور بقیہ آئمہؑ زیارت کرتے تھے۔ ایران و عراق میں آئمہ اہل بیتؑ کی قبور مطہر کی ہمارے علمائ و فقہا زیارت کیا کرتے تھے ،کیا آپ نے کبھی سنا کہ علمائ یا آئمہؑ میں سے کوئی جب زیارت کے لئے آتا ہے تو مزار کے صحن کے دروازے سے سینے کے بل چلتے ہوئے حرم میں داخل ہوتا ہو؟

اگر یہ کوئی مستحسن ، مستحب ، اچھا م قابل قبول عمل ہوتا تو ہمارے بزرگ اسے انجام دیتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا حتیٰ منقول ہے کہ عالم بزرگ ، قوی اور روشن فکر مجتہد آیت اللہ العظمیٰ آقای بروجردی (رضوان اللہ تعالیٰ علیہ)چوکھٹ کا بوسہ لینے سے بھی منع فرماتے تھے ، جب کہ شاید یہ ایک مستحب عمل ہو، شاید چوکھٹ کو چومنے کے بارے میں روایات میں بھی آیا ہے اور دعاو ں کی کتب میں بھی ہے اور میرے ذہن میں بھی ہے کہ اس بارے میں روایات موجود ہیں، گو یہ ایک مستحب عمل ہے ،اس کے باوجود کہا کرتے تھے کہ یہ کام نہ کیجئے کہ کہیں دوسرے خیال کریں کہ ہم آئمہؑ کی قبور مطہر کو سجدہ کرتے ہیں اور کہیں (اس بنیادپر) دشمن شیعوں کے خلاف شک و شبہ ایجاد نہ کریں۔

اب بعض لوگ جوں ہی امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کے صحن مطہر میں داخل ہوتے ہیں اپنے آپ کو گرا لیتے ہیں اور دو سو میٹر کا فاصلہ سینے کے بل طے کرتے ہیں۔ کیا یہ عمل درست ہے؟ نہیں یہ غلط کام ہے ، دین اور زیارت کی اہانت ہے۔

کون ان چیزوں کو لوگوں کے درمیان رائج کررہا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ دشمن کی کارستانی ہو؟ آپ کو یہ باتیں لوگوں کو بتانا چاہئیں اور ذہنوں کو روشن کرنا چاہئیے۔ دین اور اسلام، منطق پر مبنی ہے اور اسلام کا منطقی ترین جز وہ تفسیر ہے جو شیعہ، اسلام کے بارے میں رکھتے ہیں۔ شیعہ متکلمین میں سے ہر ایک اپنے زمانے میں خورشیدِ تابناک کی مانند چمکتا تھا۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ کی منطق کمزور ہے، خواہ وہ آئمہؑ کا زمانہ ہو، جس میں " مومنِ طاق " اور " ہشام بن حکم " (جیسے اصحاب آئمہؑ تھے) اور خواہ آئمہؑ کے بعد نبی نوبخت اور شیخ مفید جیسے افراد ہوں اور خواہ ان کے بعد کے زمانے میں مرحوم علامہ حلّی اور دوسرے لوگ ہوں۔ یہ سب کے سب اہل منطق و استدلال تھے۔ ہم اہل منطق و استدلال ہیں، آپ دیکھئے کہ شیعوں سے مربوط ابحاث میں کتنے قوی استدلال پر مبنی کتب تحریر کی گئی ہیں،ہمارے زمانے میں مرحوم عبد الحسین شرف الدین کی کتابیں اور علامہ امینی کی الغدیر سر تا پا استدلال اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند مستحکم ہیں۔

شیعیت یہ ہے، وہ نہیں جو نہ صرف استدلال نہیں رکھتیں بلکہ " اشبہ شئی بالخرافہ " (یعنی خرافات سے زیادہ مشابہ) ہیں۔ ایسی چیزیں کیوں ہمارے معاشرے میں داخل کی جارہی ہیں؟ یہ دین اور

Presented by www.ziaraat.com

معارف دینی کے لئے وہ عظیم خطرہ ہے جس کی جانب عقیدے کی سرحدوں کے محافظوں کو متوجہ رہنا چاہئیے۔

میں نے عرض کیا کہ ایک گروہ تک جب یہ باتیں پہنچیں گی تو وہ دل سوزی کے ساتھ کہے گا کہ اچھا ہوتا اگر فلاں ابھی یہ باتیں نہ کرتا۔

نہیں جناب ! مجھ پر لازم ہے کہ یہ باتیں کہوں، میری ذمہ داری دوسروں سے زیادہ ہے۔ البتہ دوسرے حضرات کو بھی یہ باتیں کہنی چاہئیں۔ آپ کو بھی کہنی چاہئیں،امام خمینی ۲ جہاں کہیں ایک بھی انحرافی نکتہ دیکھتے تو کمال قدرت کے ساتھ اور بے پرواہ ہو کر اس کے مقابل ڈٹ جاتے تھے، اگر یہ چیزیں ان بزرگوار کے زمانے میں بھی ہوتیں یا اس سطح پر رائج ہوتیں تو بے شک وہ بھی یہی باتیں کرتے۔

ایک اور گروہ، جسے یہ چیزیں پسند ہیں اسے ان باتوں سے تکلیف پہنچے گی کہ فلاں نے ہماری پسندیدہ چیزوں کے بارے میں ایسی باتیں کیوں کیں؟ اور اس لہجہ میں ان کا ذکر کیوں کیا، ان لوگوں میں سے بھی اکثر مومنِ صادق اور بے غرض لوگ ہیں لیکن غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

یہ ایک عظیم ذمہ داری ہے جو ہر علاقے اور ہر حصے میں بسنے والے آپ علمائ و مبلغین پر عائد ہوتی ہے، امام حسینؑ کی مجلس عزائ ایسی مجلس ہے جسے معرفت اور ان تین چیزوں کا مظہر ہونا چاہئیے جنہیں میں نے عرض کیا۔

امید ہے کہ خدا وند متعال آپ کو قدرت ، شجاعت ، جستجو اور سنجیدگی کے ساتھ ا نھیں بیان کرنے میں کامیابی عطا فرمائے ،جو پروردگار عالم کی رضایت کا سبب ہیں۔

والسلام علیکم ورحمة الله

Presented by www.ziaraat.com

قیام حسینیؑ کی ماہیت

"آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہٰ ای نے ۱۰ محرم ۱۴۱۶ ھ کو تہران یونیورسٹی میں نماز جمعہ کے اجتماع میں شریک عزاداران امام حسینؑ کے سامنے یہ خطاب ارشاد فرمایا ۔"

قال رسول اللہ : حسین منی و انا من الحسین و عنہ علیہ وعلی آلہ سلام

قال : حسین مصباح الھدیٰ و سفینۃ النجاۃ

قیام حسینیؑ کی ماہیت

تمام نمازی بھائیوں ، بہنوں اور خود آپ اپنے کو خوف خدا ، پرہیز گاری ، گناہوں سے اجتناب اور رضائے الہی کی طلب کی نصیحت و سفارش کرتاہوں ،کہ یہی زندگی کی روح اور اس کا مقصد ہے اور یہی چیزیں ہمارے لئے اس دنیا (آخرت) جن میں " لا ینفع مال ولا بنون " (مال اور اولاد فائدہ نہیں پہنچائیں گے) اور اسی طرح اس دینوی زندگی میں سعادت و سرخروی کا باعث ہیں۔

آج عاشورائ کے دن کی مناسبت سے ہم نے " تحرک حسینیؑ "کے بارے میں گفتگو کا ارادہ کیا ہے۔ (خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ) ہماری پوری زندگی امام حسینؑ کی یاد سے لبریز ہے۔ اس عظیم شخصیت کی تحریک کے بارے میں بھی بہت کچھ کہا گیا ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اس کے باوجود انسان اس بارے میں جتنا بھی غور و فکر کرے، تحقیق کرے ، مطالعے اور تفکر کا میدان اتنا ہی وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ اب تک بہت سی باتیں اس عظیم اور بے مثال سانحے کے بارے میں موجود ہیں جن کے بارے میں ہمیں سوچنا اور سب کو بتانا چاہئیے۔

اس حادثے پر اگر نظر دوڑائیں تو اس روز سے لے کر جب کہ حضرت ابی عبداللہ الحسینؑ مدینہ سے نکلے اور اس روز تک کہ جب وہ مکہ پہنچے، یہاں تک کہ کربلا میں جام شہادت نوش فرمایا شاید ہم کہہ سکیں کہ اس چند مہینے کے سفر سے سو سے زیادہ اہم درس حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتا تھا کہ ہزار ہا درس حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ گو یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا۔ ممکن ہے آپؑ کا ہر اشارہ ایک درس ہو۔ لیکن یہ جو میں نے کہا کہ سو سے زیادہ درس تو یہ اس بنا پر ہے کہ اگر ان کاموں

Presented by www.ziaraat.com

کا بغور مشاہدہ کریں تو ان سے سو عنوان حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک ، ایک ملت کے لئے، ایک تاریخ کے لئے ، ایک ملک کے لئے ، اپنی تربیت کے لئے ، سماج کی رہنمائی کے لئے، خداوند عالم کا قرب حاصل کرنے کے لئے ایک درس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حسین ابن علیؑ (ارواحنا فداہ اسمہ و ذکرہ)تمام مقدسین عالم کے درمیان سورج کی سی آب و تاب کے ساتھ چمکے۔ یعنی اگر ہم انبیائؑ ، اولیائ ، آئمہؑ ، شہدائ و صالحین کو چاند اور ستارے شمار کریں تو (ان کے درمیان) آپؑ کی حیثیت سورج کی سی ہے، یہ تمام عظمت اسی بنائ پر ہے۔

یہ سو درس اس عمل کے ایک اصلی درس کے ہمراہ ہیں۔ میری کوشش ہے کہ اگر ہوسکے تو آج آپ کے سامنے اس مسئلے کے اسی اصلی درس کی وضاحت کروں۔ وہ تمام حاشیہ ہیں اور یہ (درس) اصل متن ہے۔

وہ اصل درس یہ ہے کہ امام حسینؑ نے کیوں قیام کیا؟

آپؑ مدینے میں محترم ہیں، مکہ میں آپؑ کا اتنا احترام کیا جاتا ہے۔ یمن میں اتنے شیعہ ہیں، آپؑ کسی گوشے میں چلے جائیے جہاں یزید سے بھی کوئی سروکار نہ رکھئیے ، یزید بھی آپؑ سے کوئی سروکار نہ رکھے ؟ آپ کے اتنے ارادت مند ہیں، اس قدر شیعہ ہیں، زندگی بسر کیجئے، تبلیغ کیجئے۔ آخر آپؑ نے کیوں قیام کیا؟ مسئلہ کیا ہے؟

یہ ہے وہ اصلی سوال اور اصل درس

میں نہیں کہتا کہ ابھی تک کسی نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔ نہیں بلکہ انصاف کے ساتھ دیکھا جائے تو لوگوں نے (اس موضوع پر) بہت محنت و عرق ریزی سے کام لیا ہے، بہت کوشش کی ہے اور اس بارے میں بہت باتیں کی گئی ہیں۔ اس وقت ہم جو یہاں بیان کررہے ہیں وہ ہماری نظر میں اس مسئلے کے بارے میں ایک مکمل اور جامع نظریہ اور ایک نیا طرز نگاہ ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ چا ہتے تھے کہ یزید کی فاسد حکومت کو ہٹا کر خود ایک حکومت تشکیل دیں۔

ابا عبد اللہؑ کے قیام کا مقصد یہ تھا۔

یہ بات آدھی صحیح ہے۔

میں نہیں کہتا کہ غلط ہے۔

اگر اس بات سے ان کی مراد یہ ہے کہ امامؑ نے تشکیلِ حکومت کے لئے اس طرح قیام کیا کہ جب انھوں

Presented by www.ziaraat.com

نے دیکھا کہ قیام نتیجہ خیز نہیں رہا ہے تو کہا کہ ٹھیک ہے کوئی بات نہیں ہے ہم واپس پلٹ جاتے ہیں۔

جو شخص حکومت کی نیت سے قیام کرتا ہے، وہ صرف اس وقت تک آگے بڑھتا ہے جب تک اسے کامیابی ممکن نظر آرہی ہو اگر وہ دیکھے کہ یہ کام ہونے والا نہیں ، یا عقلی طور پر ممکن نہیں ہے، تو اس کی ذمہ د اری یہ ہے کہ پلٹ جائے۔۔۔اگر اس کی ذمہ داری حکومت کی تشکیل ہے تو قیام کرنا اسی وقت اس کے لئے جائز ہے جب اس کے لئے حکومت کی تشکیل ممکن ہو، لیکن جہاں ممکن نہ ہو وہاں اسے پلٹ جانا چا ہیے۔۔۔ اگر وہ شخص جو کہتا ہے کہ امام حسینؑ کے قیام کا مقصد حقانیت پر مبنی علوی حکومت کی تشکیل ہے اور اس کی مراد یہ ہے تو نہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ مجموعی طور پر (امام حسینؑ کی) اس حرکت میں یہ نظر نہیں آتا (یہ بات ہماری گفتگو سے بعد میں واضح ہوجائے گی)

بعض لوگوں نے اس کے بالکل برعکس نکتے کو اٹھایا ہے اور کہا ہے کہ جی نہیں جناب ، حکومت کیا چیز ہے؟ امام حسینؑ جانتے تھے کہ حکومت تشکیل نہیں دے سکتے ، بلکہ وہ تو بنیادی طور پر شہید ہونے کے لئے آئے تھے ۔۔۔۔۔ یہ بات بھی ایک مدت تک بہت مشہور اور رائج تھی اور بعض زبانیں اسے خوبصورت شاعرانہ تعبیرات کے ساتھ بیان کرتی تھیں۔ بعد میں میں نے دیکھا کہ ہمارے بعض بڑ ے بڑے علمائ نے بھی یہ فرمایا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی کہ امامؑ نے شہید ہونے کے لئے قیام کیا کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ زندہ رہ جانے میں بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لہذا چلنا چاہئیے اور شہادت کے ذریعے ہی کچھ کرنا چاہئیے۔ یہ بات بھی صحیح نہیں ہے۔ ہمیں شرعی اسناد اور اسلامی مدارک میں بھی یہ بات نظر نہیں آتی کہ جاو اور خود کو ہلاکت میں ڈال دو۔ ہمارے پاس ایسی کوئی چیز نہیں، ہم شرع مقدس کی رو سے شہادت کے بارے میں جو کچھ جانتے ہیں اور روایات اور قرآنی آیات میں اس بارے میں جو علامات ملتی ہیں وہ یہ ہیں کہ انسان ایک مقدس ہدف (جو یا تو واجب ہو یا رائج) کے حصول کی کوشش کرے اور اس راستے میں مارا جائے تو یہ صحیح اسلامی شہادت ہے۔۔۔۔۔ لیکن یہ کہ انسان بنیادی طور پر مرنے ہی کے لئے نکل کھڑا ہو کہ بقول ایک عالم کے ایک شاعرانہ تعبیر ہے کہ " تاکہ اس طرح میرا خون ظالم کے پیروں کو ڈگمگا دے اور اسے زمین پر گرا دے گا۔"

جی نہیں! وہ چیز جو اس سانحے کی عظمت کا سبب یہ نہیں، ہاں یہ بھی حقیقت کا ایک حصہ ہے لیکن

Presented by www.ziaraat.com

امامؑ کا ہدف نہیں۔۔۔۔۔

پس خلاصہ یہ کہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ امام حسینؑ نے تشکیلِ حکومت کے لئے قیام کیا اور نہ ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپؑ کے قیام کا مقصد شہادت تھا۔

ایک اور چیز ہے کہ میں انشائ اللہ کوشش کروں گا کہ اسے پہلے خطبے میں بیان کردوں اور اس مسئلہ پر دوسرے خطبے میں زیادہ بات نہ کروں گا۔ شاید ان شائ اللہ اسے بیان کرسکیں۔

مجھے یوں نظر آتاہے کہ وہ لوگ جنہوں نے کہا ہے کہ امامؑ کا مقصد حکومت تھا یا مقصد شہادت تھا ان لوگوں کے ذہنوں میں ہدف اور نتیجہ آپس میں گڈ مڈ ہوگئے ہیں۔ (جبکہ) ایسا نہ تھا امام حسینؑ کے سامنے ایک اور مقصد تھا اور اس ہدف کا حصول ایک ایسی حرکت اور ایسے راستے کا محتاج تھا جس کے دو ممکنہ نتائج حکومت یا شہادت تھے۔

البتہ امامؑ دونوں نتائج کے لئے تیار تھے، انہوں نے حکومت کے مقدمات کو بھی آمادہ کیا اورکررہے تھے اور اسی طرح شہادت کے مقدمات کو بھی آمادہ کیا اورکررہے تھے۔ اپنے نفس کو اس کے لئے بھی وسعت دے رہے تھے اس کے لئے بھی۔ دونوں میں سے جو نتیجہ بھی ملتا صحیح تھا۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی "ہدف" نہیں تھا بلکہ دونوں نتیجے تھے۔ ہدف کچھ اور تھا۔

ہدف کیا تھا؟

پہلے میں اس ہدف کو بطور خلاصہ ایک جملے میں بیان کرتا ہوں بعد میں کچھ وضاحت کروں گا۔

اگر ہم امام حسینؑ کے ہدف کو بیان کرنا چاہیں تو ہمیں یوں کہنا چاہئیے کہ " امامؑ کا ہدف واجبات دین میں سے ایک ایسے عظیم واجب کو انجام دینا تھا جسے اس سے پہلے کسی نے بھی انجام نہیں دیا تھا۔"

حتیٰ نہ پیغمبر اکرم ؐ سے اس واجب کو انجام دیا تھا، نہ امیرالمومنینؑ نے اور نہ امام حسن مجتبیٰ نے۔ یہ ایک ایسا واجب تھا جسے اسلام کے بنیادی ، فکری اور عملی نظام میں ایک بہت اہم مقام حاصل ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ واجب زیادہ اہم ہے، بہت ہی بنیاد حیثیت رکھتا ہے لیکن امام حسینؑ کے زمانے تک کسی نے اسے انجام نہیں دیا تھا ۔ کیوں ؟ میں ابھی عرض کرتا ہوں کہ کیوں انجام نہیں دیا گیا تھا۔

امامؑ کو اس واجب پر عمل کرنا تھا تاکہ پوری تاریخ کے لئے ایک درس بن جائے، جیسے پیغمبر اکرم ؐ نے حکومت تشکیل دی اور تشکیل حکومت پوری اسلامی تاریخ کے لئے ایک درس بن گئی ، وہ صرف اس کا حکم نہیں لائے۔ یا خدا کے رسول ؐ نے جہاد فی سبیل اللہ کیا اور یہ پوری امت مسلمہ اور تمام

Presented by www.ziaraat.com

بشریت کی تاریخ کے لئے بھی ہمیشہ کے لئے ایک درس بن کر رہ گیا۔ یہ واجب امام حسینؑ کے ذریعے انجام پانا تھا تاکہ مسلمانوں بلکہ پوری تاریخ کے لئے ایک درس بن جائے۔

اب سوال یہ پیش آتا ہے کہ آخر امام حسینؑ ہی کیوں اس کام کو انجام دیں ۔۔ ۔۔؟ اس لئے کہ اس واجب کو انجام دینے کا موقع ہی ان کے زمانے میں پیش آیا، اگر یہ موقع امام حسینؑ کے زمانے میں پیش آنے کے بجائے مثلاً امام علی النقیؑ کے زمانے میں پیش آتا، تو وہ بھی یہی کام انجام دیتے تو امام علی نقیؑ حادثہ عظیم ، ذبح عظیم اور تاریخ اسلام ہوجاتے۔ اگر امام حسن مجتبیٰؑ کے دور میں پیش آتا تو وہ بزرگوار یہی کرتے۔ اگر امام صادقؑ کے دور میں پیش آتا تو وہ بھی یہی کرتے۔ (یہ موقع) امام حسینؑ سے قبل کے زمانے میں بھی پیش نہ آیا، ان کے بعد بھی پیش نہ آیا، دوسرے آئمہؑ کے دور میں اور دورانِ غیبت میں بھی پیش نہ آیا، امام حسینؑ کے زمانے میں پیش آیا۔

پس (امام حسینؑ کا) ہدف اس واجب کو انجام دینا تھا جس کی ابھی ہم وضاحت کریں گے۔ا س وقت اس واجب کی ادائیگی دو میں سے کسی ایک نتیجے کا سبب بنتی۔ جو شخص اس واجب کو ادا کرتا وہ یا تو حکومت تک پہنچ جاتا، خوش آمدید ، امام حسینؑ حاضر تھے۔ اگر امام حسینؑ قدرت حاصل کرلیتے تو زمام کار اپنے ہاتھ میں لے کر پیغمبر اسلام ؐ اور امیر المومنینؑ کی مانند معاشرے کا انتظام و انصرام چلاتے۔ لیکن اگر حکومت تک نہ پہنچتے اور شہید ہوجاتے، تو آپؑ اس کے لئے بھی تیار تھے۔ خداوندِ عالم نے امام حسینؑ کو اور آئمہؑ کو اس طرح خلق کیا ہے کہ وہ شہادت کے بارِ گراں کو برداشت کرسکیں اور انہوں نے اسے برداشت بھی کیا اور اب مصائب کربلا کی داستان ایک اور عظیم باب ہے۔ یہ پوری بات کا خلاصہ تھا، اب میں اس مسئلہ کی تھوڑی وضاحت کرتا ہوں۔

دیکھئے میرے عزیز نمازی بھائیو اور بہنو ! پیغمبر اکرم ؐ سمیت ہر پیغمبر احکام کا ایک مجموعہ اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔ ان میں سے بعض احکام انفرادی ہوتے ہیں، اس لئے ہوتے ہیں کہ انسان خود اپنی اصلاح کرے اور بعض احکام اجتماعی ہوتے ہیں تاکہ انسان کی زندگی اور انسان کی دنیا کا انتظام و انصرام کریں، انسانی سماج کو تشکیل دیں۔ احکام کے اس مجموعے کو اسلامی نظام کہتے ہیں۔

اسلام رسول اکرم ؐ کے مقدس قلب پر نازل ہوا اور نماز ، روزہ ، زکوۃ ، انفاق ، حج ، گھریلو اور نجی روابط کے احکام لے کر آیا۔ اس کے بعد جہاد فی سبیل اللہ ، اسلامی حکومت کی تشکیل ، اسلامی اقتصاد ، حاکم اور عوام کے روابط اور حکومت کے مقابلے میں عوام کی ذمہ داریوں کو لے کر آیا۔ اس پورے مجموعے کو اسلام نے بشریت کے لئے پیش کیا اور ان سب کو رسول اللہ ؐ نے بیان فرمایا " ما من شئی یقربکم الی الجبۃ و یبعدکم من النار الاوقد عبرتکم بہ"

وہ تمام چیزیں جو ایک انسان کو ، ایک انسانی معاشرے کو فائدہ پہنچاتی ہیں ان سب کو پیغمبر اکرم

Presented by www.ziaraat.com

ؐ نے بیان کردیا ہے۔ نہ فقط کیا ہے بلکہ ساتھ ساتھ ان سب پر عمل بھی کرکے دکھایا ہے۔ رسول اکرم ؐ کے زمانے میں اسلامی حکومت تشکیل پائی، اسلامی معاشرہ قائم ہوا، اسلامی اقتصاد کو عملی جامہ پہنایا گیا، اسلامی جہاد انجام دیا گیا۔ اسلامی زکوۃ لی گئی اور ایک اسلامی مملکت بن گئی، ایک اسلامی نظام وجود میں آگیا۔ اس نظام کو تشکیل دینے والے رسول اللہ ؐ تھے یا ان کے جانشین۔ اس راستے پر اس قافلے کے رہبر رسول اللہ ؐ ہیں یا وہ جو ان کی جگہ کو سنبھالیں، راستہ روشن و معین ہے، اسلامی معاشرے اور ہر مسلمان کو اسی راستے پر چلنا چاہئیے، اب اگر وہ اسی راستے پر چلتے رہیں تو انسان کمال تک پہنچ جائیں گے، تمام انسان صالح ہوجائیں گے، لوگوں کے درمیان سے ظلم و ستم کا قلع قمع ہوجائے گا۔ برائیاں ختم ہوجائیں گی۔ فساد کا خاتمہ ہوگا، اختلاف و انتشار دم توڑ دے گا ، فقر و فاقہ نابود ہوجائے گا، جہالت ناپید ہوجائے گی اور بشر بد بختی سے نجات پاجائے گا اور اس طرح وہ خدا کا کامل بندہ بن جائے گا۔

اسلام اس نظام کو رسول اللہ ؐ کے ذریعے لے کر آیا، اسے پہلے مدینہ میں ایک چھوٹے سے معاشرے میں نافذ کیا اور اس کے بعد آہستہ آہستہ اس کو وسعت دی اور مکہ اور دوسرے شہروں میں پھیلا دیا۔

ایک سوال یہاں باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ قافلہ جسے رسول اللہ ؐ نے ایک راہ پر لگایا ہے، اگر ایک حادثہ یا واقعہ رونما ہوجائے جو اسے اس کی راہ سے ہٹا دے تو اب کیا فریضہ ہے۔۔۔؟ اگر اسلامی معاشرہ اپنے راستے سے منحرف ہوجائے اور یہ انحراف اتنا زیادہ ہوکہ پورے اسلام و اسلامی معارف کے انحراف کا خطرہ پیدا ہوجائے (تو کیا کیا جائے)۔۔۔ کیونکہ انحراف دو قسم کے ہیں۔ ایک مرتبہ لوگ فاسد ہوجاتے ہیں (ایسا بہت ہوتا ہے) لیکن اسلامی احکام میں کوئی انحراف یا تبدیلی واقع نہیں ہوتی اس کے برخلاف ایک مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ تو فاسد ہوتے ہی ساتھ ساتھ حکومتیں بھی فساد کا شکار ہوجاتی ہیں۔ علمائ بھی فاسد ہوجاتے ہیں، دین بتانے والے بھی فاسد ہوجاتے ہیں۔ فاسد افراد سے کبھی بھی صحیح دین صادر نہیں ہوسکتا۔ وہ قرآن میں تحریف کرتے ہیں، حقائق میں تحریف کرتے ہیں، اچھائی کو برائی بنادیتے ہیں، برائی کو اچھائی بنادیتے ہیں، منکر کو معروف کو منکر کردیتے ہیں، اسلام کی دکھائی ہوئی راہ کو بالکل برعکس سمت میں موڑ دیتے ہیں۔

اگر اسلامی معاشرہ ایسے مقام پر جا پہنچے تو اس وقت کیا ذمہ داری ہے؟

البتہ رسول اللہ ؐ نے بتادیا تھا کہ کیا ذمہ داری ہے۔ قرآن نے بھی بیان کردیا ہے کہ ایسے موقع پر کیا فرض عائد ہوتا ہے۔۔۔؟ من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ ” (سورہ مائدہ ۵۔ آیت ۵۴) اور اس کے علاوہ متعدد آیات و روایات اس بارے میں موجود ہیں۔ خود یہ روایت بھی جسے میں امام حسینؑ کی زبانی نقل کررہا ہوں جسے امامؑ نے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

Presented by www.ziaraat.com

لیکن کیا خود پیغمبر اسلام ؐ اس حکم الہی پر عمل کرسکے تھے ... ؟ نہیں ۔ اس لئے کہ یہ حکم الہی فقط اسی وقت قابل عمل ہے جب معاشرہ منحرف ہوجائے... اگر معاشرہ منحرف ہوجائے تو ایک کام کرنا چاہئیے ، خداوند عالم نے اس بارے میں ایک حکم دیا ہے۔ ان معاشروں میں جن میں اس حد تک انحراف واقع ہوجائے کہ پورا اسلام خطرے میں پڑجائے تو خداوند متعال نے سب پر ایک ذمہ داری عائد کی ہے۔ کیونکہ خدا کسی بھی مسئلے میں انسان کو بغیر ذمہ داری کے نہیں چھوڑ سکتا۔ اس تکلیف و ذمہ داری کو رسول اللہ ؐ نے بیان فردیا ہے، قرآن و حدیث نے بھی بتادیا ہے۔ لیکن پیغمبر ؐ اس پر عمل نہیں کرسکے تھے، اس پر اسی وقت عمل ہوسکتاہے جب معاشرہ اس حد تک منحرف نہیں ہوا تھا، امام حسنؑ کے زمانے میں بھی کہ جب معاویہ تختِ حکومت پر براجمان تھا، اگرچہ انحراف کی بکثرت علامات ظاہر ہوچکی تھیں لیکن وہ اس حد تک نہیں پہنچا تھا کہ پورے اسلام کے ختم ہوجانے کا خوف لاحق ہوجائے۔ ممکن ہے کہا جائے کہ ایک زمانے میں انحراف اس حد تک پہنچ گیا تھا، لیکن اس وقت موقع مناسب نہیں تھا، اس کام کے لئے حالات سازگار نہ تھے۔

یہ حکم جو احکام اسلامی کے مجموعے کا ایک جز ہے اس کی اہمیت خود حکومت سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ حکومت یعنی معاشرے کا انتظام و انصرام ۔ اب اگر یہ معاشرہ تدریجاً اپنے راستے سے ہٹ جاتا ہے، فاسد ہوجاتا ہے، حکم خدا تبدیل ہوجاتا ہے اور ہمارے پاس حالات کو تبدیل کرنے اور تجدید حیات کا حکم نہیں ہوتا۔ یا آج انقلاب کی تعبیرکے مطابق ، ہمارے پاس انقلاب کا اور تجدید حیات کا حکم نہ ہو تو یہ حکومت جو اسلام کے نام پر وجود میں آئی تھی اور اب فاسد ہوگئی اور اپنے راستے سے ہٹ گئی ہے کس درد کی دوا ہے؟

پس وہ حکم جو منحرف معاشرے کو اپنے اصلی راستے پر پلٹانے کے لئے آیا ہے اس کی اہمیت کسی طرح بھی خود تشکیل حکومت کے حکم سے کم نہیں ہے۔ شاید یہاں تک کہا جاسکے کہ اس کی اہمیت اسلامی معاشرے کو کئے جانے والے ایک عام امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے بھی زیادہ ہے، حد یہ ہے کہ شاہد ہم یہ بھی کہہ سکیں کہ یہ عمل خدا کی بڑی بڑی عبادتوں اور حج سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

کیوں .... ؟ اس لئے کہ یہ حکم در حقیقت اس حال میں اسلام کی حیات کی ضمانت ہے جب وہ اگلے ہی لمحہ مرنے والا ہو ، یا مر کر نابود ہوچکا ہو....

اچھا ، اب سوال یہ پیش آتا ہے کہ اس حکم کی بجا آوری کس پر لازم ہے؟ اس فریضے کی ادائیگی کس پر ضروری ہے؟ پیغمبر ؐ کے اس جانشین پر جو اس زمانہ میں موجود ہو جب یہ انحراف وجود میں آیا ہے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اسے سازگار مواقع حاصل ہوں۔ کیونکہ خداوندِ عالم اپنے بندوں پر کسی

Presented by www.ziaraat.com

ایسی ذمہ داری کو عائد نہیں کرتا جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ اگر مناسب موقع نہ ہو تو جو کام بھی کیا جائے بے سود ہوگا، غیر موثر ہوگا۔ لازم ہے کہ مناسب موقع ہو۔ البتہ مناسب موقع ہونے کے ایک دوسرے معنی بھی ہیں۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ کیونکہ خطرہ ہے اس لئے مناسب موقع نہیں۔۔۔ نہیں ، یہاں یہ مراد نہیں۔ مناسب موقع ہونے کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو معلوم ہو کہ جو کام وہ انجام دے رہا ہے اس کا نتیجہ برآمد ہوگا، یعنی لوگوں تک اس کا پیغام پہنچے گا، لوگ جان لیں گے ، غلط فہمی کا شکار نہ رہیں گے۔ یہ وہ ذمہ داری ہے جس کی انجام دہی ایک فرد پر ضروری ہے۔

اب جب کہ امام حسینؑ کے زمانے میں وہ انحراف بھی وجود میں آگیا ہے اور وہ موقع بھی پیدا ہوگیا ہے۔ پس حسینؑ کے لئے ضروری ہے کہ وہ قیام کریں۔

انحراف پیدا ہوچکا ہے۔ یعنی معاویہ کے بعد ایک ایسا شخص برسرِ حکومت آیا ہے جو حد تو یہ ہے کہ اسلام کی ظاہری باتوں کی پابندی کو بھی ملحوظ نہیں رکھتا۔ شراب پیتاہے، حرام کاموں کا مرتکب ہوتا ہے، کھلم کھلا انحراف کا شکار ہے، قرآن کی مخالفت میں بولتا ہے، قرآن اور دین کے خلاف شعر کہتا ہے ، علانیہ اسلام کی مخالفت کرتا ہے۔ چونکہ مسلمانوں کا سربراہ ہے اس لئے اسلام سے نسبت کو ختم نہیں کرسکتا ، وگرنہ اسلام پر عمل پیرا نہیں، اسلام سے لگاو نہیں رکھتا، اسلام کے بارے میں دلسوزی نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کا عمل اس گندے پانی کے چشمے کی مانند ہے جس سے رسنے والا پانی پورے تالاب کو گندہ کررہا ہو۔ اس کے وجود سے خارج ہونے والا گندہ پانی پورے اسلامی معاشرے کو گندگی سے بھر دے گا۔۔۔۔ فاسد حاکم اسی طرح ہوتا ہے۔

حاکم پہاڑ کی چوٹی کی مانند ہے لہذا جو کچھ اس سے صادر ہوگا وہ وہیں نہیں رہے گا بلکہ پورے پہاڑ پر پھیل جائے گا۔ عام آدمی کا معاملہ اس کے برخلاف ہے وہ جو کچھ بھی ہوتا ہے اپنے ہی میں رہتا ہے۔ البتہ جو جتنا بلند مرتبہ رکھتا ہے اور معاشرے میں جس قدر اعلیٰ مقام پر فائز ہوتا ہے اسی قدر اس کے فساد کا نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ عام آدمیوں کا فساد میں مبتلا ہونا خود ان کے لئے ضرر رساں ہوتا ہے۔ ممکن ہے ان کے نزدیکی ایک دو افراد کے فساد میں مبتلا ہونے کا موجب ہو۔ لیکن ایسا شخص جو سربراہی کے منصب پر فائز ہو اور فاسد ہو تو اس کا فساد بڑھتا ہے اور پوری فضا کو آلودہ کردیتا ہے۔ اسی طرح اگر وہ صالح ہو تو اس کی صالحیت پھیلتی ہے اور پورے ماحول کو لبریز کردیتی ہے۔

معاویہ کے بعد ایک فاسد شخص خلیفہ مسلمین ہوا ہے۔۔۔۔

پھر اس انحراف سے بڑھ کر یہ کہ (قیام کے لئے) زمین بھی ہموار ہے۔

زمین ہموار ہے یعنی کیا مطلب ۔۔۔ ؟ یعنی کیا خطرہ موجود نہیں؟

کیوں نہیں خطرہ تو ہے۔ کیا ممکن ہے کہ جو اس قدر طاقت و قدرت کا مالک ہو وہ اپنے مخالفوں کے لئے

Presented by www.ziaraat.com

خطرات پیدا نہ کرے۔ خوب ، پتہ چلا کہ جنگ کا امکان ہے، آپؑ چاہتے ہیں کہ اسے تختِ حکومت سے نیچے گھسیٹ لیں۔ تو کیا وہ بیٹھا آپ کا تماشا دیکھا کرے گا۔ ظاہر ہے وہ بھی آپ پر ضرب لگائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ خطرہ ہے۔

یہ جو ہم نے کہا کہ موقع مناسب ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی معاشرے کی فضا ایسی ہے کہ امام حسینؑ کا پیغام اسی زمانے یا طول تاریخ میں بکھرے ہوئے انسانوں تک پہنچ جائے گا۔

اگر امام حسینؑ معاویہ کے دور میں قیام کرنا چاہتے تو آپؑ کا پیغام دفن ہوجاتا۔ یہ اس بنائ پر ہے کہ معاویہ کے دور میں حکومت کی نوعیت کچھ اسی قسم کی تھی۔ میں اس وقت اس بات کی وضاحت نہیں کرنا چاہتا۔ ایسی سیاست تھی کہ لوگ سچائی کو سننے کی سکت نہ رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام حسینؑ معاویہ کے دور اقتدار میں دس سال امام رہے لیکن کچھ نہ کہا۔ کوئی اقدام نہ کیا۔ کوئی قیام نہ کیا۔ کیونکہ اس زمانے کے حالات سازگار نہ تھے۔ ان سے پہلے امام حسنؑ تھے لیکن انہوں نے بھی قیام نہ کیا۔ کیونکہ حالات سازگار نہ تھے۔ ایسا نہ تھا کہ امام حسنؑ (نعوذ باللہ) اس کام کے اہل نہ تھے۔ حسنؑ اور حسینؑ میں کوئی فرق نہیں۔ امام حسینؑ اور امام سجادؑ میں کوئی فرق نہیں، امام حسینؑ ، امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہم السلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔

البتہ اب جب کہ امام حسینؑ نے یہ مجاہدت کی تو ان کا مقام ان سے بلند ہے جنہوں نے یہ کام نہیں کیا۔ لیکن مقام امامت کے اعتبار سے سب یکساں ہیں، جس امامؑ کو بھی یہ حالات پیش آتے وہ یہی کرتا اور اسی مقام پر پہنچتا۔

پس امام حسینؑ اس انحراف کے زمانے میں تھے تو ان پر لازم ہے کہ یہ فریضہ انجام دیں۔ جب کہ حالات بھی سازگار ہیں۔ پس اب کوئی عذر موجود نہیں۔ لہذا جب عبداللہ بن جعفر، محمد بن حنفیہ، عبد اللہ بن عباس ، یہ لوگ جو عام افراد معاشرہ نہ تھے، یہ سب دین شناس تھے۔ عارف ، عالم، بافہم افراد تھے ، یہ جب امامؑ سے کہتے ہیں کہ خطرہ ہے، نہ جائیے۔ یہ کہنا چاہتے تھے کہ جب ذمہ داری کی ادائیگی کی راہ میں خطرہ ہو تو ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ ذمہ داری وہ ذمہ داری نہیں جو خطرے کی وجہ سے ختم ہوجاتی ہے۔ خطرہ ہو تو ، اس ذمہ داری کی ادائیگی ہمیشہ پر خطر ہے۔ کب ممکن ہے کہ انسان حسبِ ظاہر اس قدر طاقتور قوت کے مقابل قیام کرے اور اسے خطرہ نہ ہو۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے۔۔ ؟ یہ ذمہ داری ہمیشہ پر خطر ہے۔ امام خمینی ۲ سے بھی لوگوں نے کہا تھا کہ جناب آپ شاہ کے مقابلے پر ہیں، یہ خطرناک بات ہے ۔ کیا امام کو معلوم نہ تھا کہ خطرہ ہے۔۔؟ امام واقف نہ تھے کہ شاہ کی پولیس لوگوں کو گرفتار کرلیتی ہے، مار ڈالتی ہے۔ اذیتیں دیتی ہے، اس کے دوستوں کو مار ڈالتی ہے، جلا وطن کردیتی ہے ،کیا یہ باتیں امام نہ جانتے تھے؟

Presented by www.ziaraat.com

کیوں نہیں، اچھی طرح جانتے تھے۔ جو کام امام حسینؑ کے زمانے میں انجام دیا گیا، اس کا ایک چھوٹا سا نمونہ امام خمینی ۲ کے زمانے میں انجام پایا۔ وہاں اس کا نتیجہ شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہاں حکومت اسلامی کی صورت میں ۔ یہ وہی بات ہے اس میں کوئی فرق نہیں۔ امام حسینؑ کا ہدف اور امام خمینی ۲ کا ہدف ایک ہی تھا ۔ (حاضرین کے نعرے)

ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس بحث کو خوب اچھی طرح سنیں اور ان مفاہیم کو ذہن نشین رکھیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ یونہی وقت گزاری کی جائے۔ مذکورہ مفاہیم معارف حسینیؑ کی اساس ہیں اور معارف حسینیؑ معارف شیعہ کا ایک عظیم حصہ ہیں۔ یہ بحث تمام ابحاث کی ستون ہے اور یہ خود اسلام کا ایک ستون ہے۔ البتہ اگر کسی وقت آپ نعرہ لگانا چاہتے ہیں تو میں اس کا مخالف نہیں لیکن میری خواہش یہ ہے کہ آپ غور سے سنیں تاکہ مفاہیم بے ربط نہ ہوجائیں۔ پس (امام حسینؑ کا) ہدف عبارت ہوا اسلام کو اس کی صحیح راہ پر پلٹانا، اسلامی معاشرے کو راہ راست پر لگانا ۔ کب ۔۔۔؟ جب راہ تبدیل ہوگئی ہو اور کسی کی جہالت ، ظلم ، استبداد اور خیانت نے مسلمانوں کو منحرف کردیا ہو ۔ (یہ ایک بات ہے) (پھر) میدان بھی ہموار ہے۔ شرائط بھی آمادہ ہیں۔ البتہ دوران تاریخ میں مختلف اوقات پائے جاتے ہیں۔ کبھی حالات سازگار ہوتے ہیں اور کبھی سازگار نہیں ہوتے۔ امام حسینؑ کے زمانے میں حالات سازگار تھے، ہمارے زمانے میں بھی آمادہ تھے۔ امام خمینی ۲ نے وہی کام کیا ۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا۔ ہدف و مقصد ایک ہی تھا۔ جب انسان اس مقصد کی جستجو میں بڑھتا ہے اور حکومت اور باطل کے مرکز کے خلاف قیام کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لئے (جہاد کرنا چاہتا ہے) کہ اسلام ، سماج اور اسلامی نظام کو اپنے صحیح مرکز پرپلٹائے، تو کبھی وہ اپنے قیام کے نتیجے میں حکومت تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ اس کی ایک صورت ہے۔ بحمد للہ ہمارے زمانے میں ایسا ہی ہوا اور اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔ لیکن کبھی کسی موقع پر اس قیام کا نتیجہ حکومت اسلامی کے قیام کی صورت میں نہیں نکلتا بلکہ شہادت کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ کیا اس صورت میں (قیام) واجب نہیں۔۔۔؟ کیوں نہیں۔۔۔ اگر نتیجہ شہادت کی صورت میں بھی نکلے تب بھی واجب ہے۔

کیا نتیجہ شہادت کی صورت میں ظاہر ہونے پر قیام کا کوئی فائدہ نہیں؟

کیوں نہیں، (تشکیل حکومت یا شہادت ہر دو صورتوں میں) کوئی فرق نہیں پڑتا۔

یہ قیام یہ تحریک ہر دو صورتوں میں فائدہ مند ہے۔ خواہ نتیجہ شہادت نکلے یا حکومت۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ دونوں نتائج ایک طرح سے (علیحدہ علیحدہ) مفید ہیں۔ (لہذا لازم ہے کہ فریضہ) انجام دیا جائے، حرکت کی جائے اور یہ وہ کام تھا جسے امام حسینؑ نے انجام دیا۔

Presented by www.ziaraat.com

ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام حسینؑ نے اولین بار اس حرکت کو انجام دیا، ان سے قبل اسے انجام نہ دیا گیا تھا۔ کیوں۔۔۔؟ اس لئے کہ ان سے قبل یہ حالات پیدا نہ ہوئے تھے۔ پیغمبر اسلام ؐ اور امیرالمومنینؑ کے دور میں یہ انحراف وجود میں نہ آیا تھا اور اگر ایسا موقع اور انحراف وجود میں آیا بھی تھا تو(قیام کے لئے) حالات سازگار نہ تھے۔ امام حسینؑ کے زمانے میں دونوں چیزیں موجود تھیں۔ یہ امام حسینؑ کی تحریک کے باب میں بنیادی مسئلہ ہے۔

پس ہم (اپنی گفتگو کا) اس طرح سے خلاصہ کرسکتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے قیام کیا تاکہ اس عظیم واجب کو ادا کریں جو اسلامی نظام اور اسلامی سماج کی تعمیر نو، یا اسلامی معاشرے میں اٹھنے والے عظیم انحراف کے خلاف قیام سے عبارت ہے۔

یہ (جدوجہد) قیام کے طریقوں میں سے ہے، امر بالمعروف کے طریقوں میں سے ہے بلکہ خود امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ایک بڑا مصداق ہے۔ البتہ یہ کام، جیسا کہ میں نے عرض کیا کبھی اس کا نتیجہ حکومت کی صورت میں بر آمد ہوتا ہے۔ اما م حسینؑ اس کے لئے آمادہ تھے اور کبھی نتیجہ شہادت کی صورت میں (نکلتا ہے) امام حسینؑ اس کے لئے بھی تیار تھے۔ میں اس مطلب کو جس دلیل کی بنیاد پر پیش کررہا ہوں، اسے ہم خود امام حسینؑ کے کلمات سے اخذ کرتے ہیں۔ میں نے یہاں امام حسینؑ کے کلمات میں سے چند ایک کو منتخب کیا ہے، البتہ اس سے کہیں زیادہ کلمات موجود ہیں جو سب کے سب یہی معنی بیان کرتے ہیں۔

سب سے پہلے مدینہ میں اس رات جب حاکم مدینہ ولید بن عتبہ نے آپؑ کو طلب کیا اور کہا کہ معاویہ دنیا سے کوچ کرچکا ہے اور اب آپؑ کو بیعت کرنا ہے۔ حضرتؑ نے اس سے فرمایا

"ننظرو و تنظرون اینا احق بالخلافۃ"

"صبح تک دیکھتے ہیں۔ جاتے ہیں، سوچتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہمیں خلیفہ ہونا چاہئیے یا یزید کو۔"

اگلے روز سر راہ مروان سے آپؑ کی ملاقات ہوئی تو اس نے آپؑ کو مخاطب کرکے کہا۔

"اے حسینؑ! آپؑ کیوں خود کو موت کے منہ میں دیتے ہیں، کیوں خلیفہ کی بیعت نہیں کرلیتے، اپنے قتل کا سامان نہ کریں، خود کو مشکل میں مت ڈالیں۔"

امام حسینؑ نے اس کے جواب میں یہ فقرہ ارشادہ فرمایا۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون وعلی الاسلام السلام اذقد بلیت الامہ براع مثل یزید۔"

"اگر مسلمانوں پر یزید جیسا حاکم حکمراں ہو تو اسلام پر سلام بھیجنا چاہئیے' اس کا خدا ہی حافظ ہو۔"

Presented by www.ziaraat.com

آپؑ اشارہ فرمارہے تھے کہ انحراف کا یہ خطرہ انتہائی سنگین ہے، مسئلہ اسلام کی بنیادوں کے خطرے میں مبتلا ہوجانے کا ہے۔

مکہ سے نکلتے ہوئے اس وصیت میں ، البتہ امام حسینؑ نے مدینہ سے نکلتے وقت اور مکہ سے بھی نکلتے وقت محمد بن حنفیہ سے گفتگو کی تھی، میرے خیال میں یہ وصیت اس وقت کی گئی جب آپؑ نے ماہ ذی الحجہ میں مکہ سے نکلنا چاہا اور محمد بن حنفیہ بھی وہاں آئے ہوئے تھے اور وہاں بھی انہوں نے حضرتؑ سے گفتگو کی۔ یہ اسی وقت کی بات ہے کہ حضرتؑ نے بعنوان وصیت محمد بن حنفیہ کو کچھ باتیں لکھ کردیں۔ اس وصیت میں خدا کی وحدانیت پر گواہی اور دوسری باتوں کے بیان کے بعد اس مقام پر پہنچے کہ

"وانی لم اخرج اشر ا ولا بطرا ولا ظالما ولا مفسدا"

یعنی کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے اور پروپیگنڈا کرنے والے یہ پروپیگنڈا نہ کریں کہ حسینؑ نے بھی ان لوگوں کی مانند خروج کیا جو یہاں وہاں طاقت و قدرت ہاتھ میں لئے خود نمائی کرنے ، عیش و عشرت کے لیے، ظلم کے لئے اور فساد پھیلانے کے لئے جنگ و جدال کے میدان میں داخل ہوتے ہیں۔ ہمارا معاملہ ایسا نہیں۔

"بل خرجت لاصلاح فی امۃ جدی"

"میرا مقصد اصلاح ہے، میں چاہتا ہوں کہ امت جد کی اصلاح کروں۔"

یہ وہی واجب ہے جو امام حسینؑ سے پہلے انجام نہیں دیا گیا۔

"خرجت لاصلاح فی امۃ جدی" اور اس اصلاح کا طریقہ خروج ہے، خروج یعنی قیام۔

امامؑ نے اپنے وصیت نامہ میں جس بات کا ذکر کیا وہ اسی مفہوم کی وضاحت ہے۔ یعنی اول تو ہم خروج یعنی قیام کرنا چاہتے ہیں اور ہمارا یہ قیام اصلاح کے لئے ہے، ہر حال میں حکومت کے حصول کے لئے نہیں۔ اور نہ ہی اس لئے ہے کہ لازماً شہید ہوجائیں۔ نہیں ہم اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔

البتہ اصلاح کوئی معمولی کام نہیں۔ ایک وقت حالات ایسے ہوتے ہیں کہ انسان حکومت تک پہنچ جاتا ہے اور زمام اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔اور ایک وقت اصلاح کا عمل انجام نہیں دے پاتا اور شہید ہوجا تا ہے۔ بہر حال ہر دو صورتوں میں (ہمارا) قیام اصلاح کے لئے ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ۔

"ارید ان امر بالمعروف و انھی عن المنکر واسیر بسیرۃ جدی ۔"

اس طریقے سے اصلاح انجام دیں گے جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی مصداق ہے اور یہ بھی ایک علیحدہ بیان ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

مکہ سے حضرتؑ نے دو خطوط لکھے ایک بصرہ کی سرکردہ شخصیات کے نام اور دوسرا کوفہ کی سربرآوردہ شخصیات کے لئے۔ عمائدین بصرہ کے نام امامؑ کے خط میں تحریر تھا کہ۔

" وقد بعثت رسولی الیکم بھذا الکتاب وانا ادعوکم الی کتاب اللہ و سنۃ نبیہ فان السنۃ قدامنیت و البداعۃ قد احییت وان تسمعوا قولی اھدیکم الی سبیل الرشاد۔"

" میں بدعت کا خاتمہ اور سنت کا احیائ چاہتا ہوں کیونکہ انہوں نے سنت کو ماردیا ہے اور بدعت کو زندہ کردیا ہے۔ اگر میرے ساتھ آو تو راہِ راست میرے ہی پاس ہے۔"

یعنی میں اس عظیم ذمہ داری کو ادا کرنا چاہتا ہوں جو احیائ اسلام، احیائ سنت پیغمبر ؐ اور اسلامی نظام کو حیات تازہ عطا کرنا ہے۔

یہ تو تھا اہل بصرہ کے نام تحریر کیا ہوا خط۔ اس کے بعد آپؑ نے اہل کوفہ کے نام خط میں تحریر فرمایا۔

" فلعمری ما الامام الا العامل بالکتاب والاخذ بالقسط والدائن بدین الحق والجالس نفسہ علی ذات اللہ : والسلام "

ایسا شخص امام و پیشوا اور اسلامی معاشرے کا سربراہ نہیں ہوسکتا جو فاسق، فاجر ، خائن، مفسد اور خدا سے دور ہو، بلکہ ایسا ہونا چاہئیے جو کتاب خدا پرعمل کرتا ہو، یعنی معاشرے میں اس پر عمل پیرا ہو نہ یہ کہ خود تنہا کمرے میں بند ہوکر نماز پڑھتا ہو۔ (بلکہ) معاشرے میں کتاب خدا پر عمل کا احیائ کرے، عدل و انصاف سے کام لے، حق کو معاشرے کا قانون قرار دے، یعنی دین و آئین، سماج و قانون اور معاشرتی ضوابط کو حق کی بنیاد پر قائم کرے اور باطل کو برطرف کرے۔

" والجالس نفسہ علی ذات اللہ "

" ظاہر اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ ہر حال میں صراط مستقیم پر قائم رہے اور مادی و شیطانی میلانات کا اسیر نہ ہو۔"

اور آخر میں اہل کرفہ کو سلام تحریر کیا۔

یعنی امامؑ ہدف کا تعین کرتے ہیں۔

مکہ سے نکلنے کے بعد درمیان راہ میں مختلف منزلوں پر، ہر مقام پر اپنے طرح طرح کے سامعین کے سامنے مختلف لب و لہجے میں امامؑ یہی بات پیش کرتے ہیں۔

اس حال میں جب کہ " حر بن یزید ریاحی " اور امام حسینؑ کے لشکر ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ منزل " بیضائ " پر پہنچ کر ان دونوں لشکروں نے قیام کیا۔ شاید کچھ دیر ستانے کے بعد یا اس سے پہلے ہی امامؑ دشمن کے لشکر کے سامنے خطاب کی نیت سے کھڑے ہوئے اور یوں فرمایا۔

Presented by www.ziaraat.com

" ایھا الناس ان رسول اللہ (ص) قال من رای سلطانا جائرا ، مستحلا کجرم اللہ ناکثا لعھد اللہ مخالفا لسنۃ اللہ یعمل فی عباد اللہ بالاثم والعدوان فلم یغیر علیہ بقول او فعل کان حقا علی اللہ ان یدخلہ مدخلہ"

" یعنی اگر کوئی دیکھے کہ معاشرے پر ایک ایسا حاکم برسرکار ہے جو ظلم کرتا ہے۔ حرام خدا کو حلال شمار کرتا ہو اور حلال خدا کو حرام، حکم خدا کو نظر انداز کرتا ہے، ان پر عمل نہیں کرتا اور دوسروں کو ان پر عمل پر نہیں ابھارتا۔ لوگوں کے ساتھ گناہ ، دشمنی اور ظلم کا برتاو کرتا ہے۔ یعنی فاسد ، ظالم اور جائر حاکم کہ یزید جس کا کامل مصداق ہے۔ اگر کوئی اسلامی معاشرے میں میری امت کے درمیان ایسی چیز کو دیکھے۔"

پیغمبر ؐ نے فرمایا۔

" ولم یغیر علیہ بقول ولا فعل "

" اور زبان اور عمل سے اس کے خلاف اقدام نہ کرے۔"

"کان حقا علی اللہ ان یدخلہ مدخلہ "

" تو خداوندِ عالم اس لا تعلق اور بے عمل خاموش کو بھی روزِ قیامت اسی انجام سے دوچار کرے گا جو اس ظالم کا مقدر ہوگا، وہ اس کے ساتھ ایک ہی صف ، ایک ہی گروہ میں شامل ہوگا۔"

یہ بات پیغمبر ؐ نے فرمائی ہے۔

یہ جو ہم نے عرض کیا کہ پیغمبر ؐ نے اس بات کا زبانی حکم دیا تھا تو یہ مذکورہ بات اس کا ایک نمونہ ہے۔ پس پیغمبر ؐ نے واضح کردیا تھا کہ اسلامی نظام کے راہ راست سے ہٹ جانے کی صورت میں کیا کرنا چاہئیے ۔ امام حسینؑ نے پیغمبر ؐ کے اسی ارشاد کو اپنی بات کی سند کے طور پر پیش کیا۔

پس (امام حسینؑ کی) ذمہ داری کیا ہوئی؟

ذمہ دار ہوئی کہ " یغیر علیہ بقول و فعل "

لہذا اگر ایسے حالات پیدا ہوجائیں البتہ شرط یہ ہے کہ سازگار موقع بھی میسر ہو تو جیسا کہ ہم نے کہا انسان کو چاہئیے کہ اس (حکمران)کے خلاف قیام کرے، خواہ اس کا کوئی بھی نتیجہ برآمد ہو، مارا جائے، زندہ رہے، حسب ظاہر کامیاب ہو کہ نہ ہو۔۔۔۔ ایسے حالات میں ہر ایک مسلمان کو چاہئیے کہ وہ قیام و اقدار کرے۔ یہ وہ ہے جس کے متعلق پیغمبر ؐ نے فرمایا ہے۔

اس کے بعد فرمایا ۔ " وانا احق من غیری " میں اس اقدام کو اٹھانے کے لئے تمام مسلمانوں میں لائق تر و مناسب تر ہوں۔ کیونکہ میں فرزند پیغمبر ؐ ہوں۔ اگر پیغمبر اسلام ؐ نے ہر مسلمان پر یہ ذمہ داری واجب قرار دی ہے تو میں حسین ابن علیؑ فرزند پیغمبر ؐ ، پیغمبر ؐ کے علم و حکمت کے وارث پر واجب تر ہے کہ وہ اقدام کرے۔۔۔

Presented by www.ziaraat.com

پس (امامؑ) اپنے قیام کی وجہ کا جو دراصل تغیر و انقلاب ہے اعلان فرما رہے ہیں۔ یعنی (میرا) قیام و اقدام ان حالات کے مقابلے کے لئے ہے۔

یہ ایک بات ہے۔

" غدیر " نامی ایک منزل پر چار افراد امامؑ کے ساتھ شامل ہوئے۔ حضرت نے فرمایا

" اما واللہ انی لا رجو ان یکون خیر ما اراد اللہ بنائ قتلنا ام ظفرنا"

یہ بھی اسی بات کی عکاسی ہے جسے ہم نے بیان کیا کہ " فرق نہیں پڑتا 'کامیابی تک پہنچیں یا مارے جائیں۔" ذمہ داری ، ذمہ داری ہے اسے بہر حال انجام پانا چاہئیے۔ فرمایا کہ " مجھے امید ہے کہ خدا وند عالم نے ہمارے لئے جس چیز کو نظر میں رکھا ہے اسی میں ہمارے لئے بہتری ہے۔ خواہ ہم مارے جائیں خواہ کامیابی ہمارے قدم چومے فرق نہیں پڑتا۔ یعنی ہمارا فریضہ اپنی ذمہ داری کی ادائیگی ہے۔ سر زمین کربلا آمد کے بعد اپنے پہلے ہی خطبے میں فرمایا۔

" فقد نزل بنا من الامر ما قد ترون " جسے تفصیل سے ارشاد فرمایا اور آخر میں فرمایا۔

" الا ترون الی الحق لا یعمل بہ والی الباطل لا یتناہی عنہ لیرغب المومن فی لقائ ربہ محقا ..."

پس امام حسینؑ نے ایک واجب کی ادائیگی کے لئے قیام کیا اور یہ واجب ہر دور کے ایک ایک مسلمان کے ذمہ ہے اور یہ واجب اس بات سے عبارت ہے کہ جب بھی اسلامی معاشرے کا نظام ایک بنیادی فساد سے دوچار نظر آئے اور اسلامی احکام کے مکمل طور پر تبدیل ہوجانے کا خوف محسوس ہو، تو ہر مسلمان کو چاہئیے کہ قیام کرے۔ البتہ مناسب اور سازگار ماحول کی موجودگی میں۔ اس وقت جب اسے معلوم ہو کہ یہ قیام موثر رہے گا۔ زندہ بچے رہنا شرائط میں شامل نہیں ہے۔مارے نہ جانا شامل نہیں، اذیت و آزار سے دوچار نہ ہونا شامل نہیں، مذکورہ چیزیں شرائط کا حصہ نہیں۔ لہذا مناسب اور سازگار ماحول کی موجودگی میں۔ اس وقت جب اسے معلوم ہو کہ یہ قیام موثر رہے گا۔ زندہ بچے رہنا شرائط میں شامل نہیں ہے۔ مارے نہ جانا شامل نہیں، اذیت و آزار سے دوچار نہ ہونا شامل نہیں، مذکورہ چیزیں شرائط کا حصہ نہیں۔ لہذا امام حسینؑ نے قیام کیا اور عملی طور پر اس واجب کو ادا کیا تاکہ رہتی دنیا تک سب انسانوں کے لئے سبق آموز رہے۔

ممکن ہے طول تاریخ میں جس کسی کو یہ مناسب حالات میسر ہوں وہ اس عمل کو انجام دے۔ البتہ امام حسینؑ کے بعد کسی اور امامؑ کے زمانے میں ایسے حالات پیش نہ آئے۔

خود یہ بات تجزیہ طلب ہے کہ کیونکر ایسے حالات پیش نہ آئے ۔ کیونکہ دوسرے انتہائی اہم امور تھے جنہیں انجام دینا ضروری تھا اور اسلامی معاشرے میں حضور ؐ کے آخری زمانے اور غیبت امامؑ کے ابتدائی دور تک پھر کبھی حالات نے یہ رخ اختیار نہ کیا۔ لیکن دورانِ تاریخ میں اسلامی ممالک میں

Presented by www.ziaraat.com

متعدد مواقع پر ایسے حالات پیش آئے۔ اس وقت بھی شاید دنیا ئے اسلام میں ایسے مقامات ہیں جہاں میدان میسر ہے اور مسلمانوں کو چاہئیے کہ اپنا فریضہ انجام دیں۔ اگر انہوں نے اس فریضے کو انجام دیا تو گویا انہوں نے اپنی ذمہ داری ادا کی اور اسلام کے رواج اور اس کی حیات کی ضمانت کا موجب ہوئے۔ انہیں ایک دو مرتبہ شکست کا سامنا بھی ہوسکتا ہے لیکن جب یہ اصلاحی تحریک مسلسل جاری رہے گی تو یقینا فساد و انحراف کی جڑیں کٹ جائیں گی اور وہ سرے سے ختم ہوجائے گا۔
اس وقت (امام حسینؑ کے زمانے میں) کوئی اس عمل سے واقف نہ تھا۔ کیونکہ یہ عمل زمانہ پیغمبر میں بھی انجام نہ دیا گیا تھا، خلیفہ اول کے دور میں بھی انجام نہ دیا گیا تھا، امیر المومنینؑ بھی گو کہ معصوم تھے، انہوں نے بھی اسے انجام نہ دیا تھا۔ لہذا اس طرح امام حسینؑ نے عملی طور پر پوری تاریخ اسلام کو ایک درس دیا اور در حقیقت اسلام کا بیمہ کردیا۔ خود اپنے زمانے میں بھی ایسا فساد پایا جائے وہاں امام حسینؑ زندہ ہیں۔ وہ اپنے شیوہ و عمل سے کہہ رہے ہیں کہ تم کیا کررہے ہو؟ تمہارا فریضہ یہ ہے ..... لہذا یاد حسینؑ اور کربلا کی یاد کو زندہ رہنا چاہئیے ۔ کیونکہ کربلا کی یاد اس عملی درس کو نظروں کے سامنے لے آتی ہے۔
افسوس کہ دوسرے اسلامی ممالک میں عاشورائ کے درس کو جس طرح پہچانا جانا چاہئیے اس طرح پہچانا نہیں گیا۔ اسے پہچانا جانا چاہئیے..... ہمارے ملک میں پہچانا گیا ہے۔ ہمارے ملک میں لوگ امام حسینؑ کو پہچانتے ہیں۔ امام حسینؑ کے قیام کو جانتے ہیں۔ حسینیؑ روح پائی جاتی تھی۔ لہذا ، جب امام خمینی ۲ نے فرمایا کہ محرم وہ مہینہ ہے جس میں خون نے تلوار پر فتح پائی، تو لوگ متعجب نہ ہوئے۔ حقیقت یہی ہے کہ لہو ، تلوار پر فتحیاب ہوا۔
ہم نے کئی برس پہلے اپنے جلسوں میں سے کسی ایک میں اجتماع کے سامنے اس مطلب کو بیان کیا تھا۔ البتہ انقلاب سے پہلے کی بات ہے۔ میرے ذہن میں ایک مثال آئی، اسے میں نے اس جلسے میں بیان کیا۔ شاید اس وقت اس بات کو ۲۴، ۲۵ سال ہوچکے ہیں۔ یہ مثال ایک طوطے کی ہے۔
مولوی اپنی مثنوی میں ذکر کرتا ہے کہ ایک شخص کے گھر میں ایک طوطا تھا، وہ شخص ہندوستان کے سفر کو گیا (البتہ یہ ایک مثال ہے اور یہ مثالیں حقائق کو بیان کرنے کے واسطے ہوتی ہیں) جب وہ شخص ہندوستان کے سفر پر روانہ ہونے لگا تو اس نے اپنے اہل و عیال کو خدا حافظ کہنے کے ساتھ ساتھ اس طوطے کو بھی الوداع کہا۔ اس نے طوطے سے کہا کہ میں ہندوستان جارہا ہوں، ہندوستان تمہارا وطن ہے (طوطوں کو ہندوستان سے لے کر آیا جاتا ہے) کیا تمہیں اپنے ساتھیوں سے کوئی بات کہنی ہے، طوطے نے کہا جی ہاں! تم فلاں علاقہ میں جانا وہاں میرے اعزہ و اقربا اور دوست ملیں گے۔ تم ان سے کہنا کہ تمہارا ایک ساتھی میرے گھر میں رہتا ہے اور ان سے میرا حال بیان کرنا اور انہیں بتانا کہ وہ

Presented by www.ziaraat.com

میرے گھر میں پنجرے میں بند ہے، بس صرف یہی پیغام پہنچا دینا میں تم سے اور کچھ نہیں چاہتا۔ وہ شخص ہندوستان پہنچا اس مخصوص علاقے میں جس کی طوطے نے نشاندہی کی تھی گیا، وہاں دیکھا کہ بہت سے طوطے درخت پر بیٹھے ہیں۔ اس نے ان کی طرف رخ کیا اور کہا کہ اے اچھے اور میٹھی بولی بولنے والے طوطو میرے پاس تمہارے لئے ایک پیغام ہے۔ تمہارا ایک ساتھی میرے گھر میں ہے، وہ بہت اچھے حالوں میں ہے، پنجرے میں مزے کی زندگی گزار رہا ہے۔ بہترین اور مناسب غذائیں کھاتا ہے، اس نے تمہیں سلام بھیجا ہے۔

تاجر نے دیکھا کہ اس کے یہ الفاظ سن کر یکلخت درختوں پر صحیح سلامت بیٹھے ہوئے تمام طوطے پھڑپھڑاتے ہوئے زمین پر گرنے لگے۔ اس نے آگے بڑھ کر دیکھا تو سب مرچکے تھے۔ اسے بہت افسوس ہوا، سوچنے لگا میں نے کیوں یہ بات کی کہ یہ تمام حیوان خود اپنی جان سے گذر گئے۔ وہ بہت متاسف ہوا ۔ لیکن اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ واپس اپنے گھر پہنچ کر طوطے نے پوچھا انہوں نے کہا جواب دیا ۔ تاجر نے کہا کہ میں نے جب تمہارا پیغام انہیں دیا تو وہ تمام کے تمام اپنے پر پھڑپھڑاتے ہوئے زمین پر گرے اور مر گئے۔ تاجر نے اپنی بات ختم کی ہی تھی کہ دیکھا وہ طوطا بھی پھڑ پھڑاتا ہوا پنجرے کے فرش پر گرا اور مر گیا۔

تاجر کو بہت افسوس ہوااس نے پنجرے کا دروازہ کھولا کیونکہ طوطا مرچکا تھا اور اب اسے پالا نہیں جاسکتاتھا۔ اس نے طوطے کا پیر پکڑا اور اٹھا کر چھت پر پھینک دیا ، پھینکنے کے بعد تاجر نے دیکھا تو کیا دیکھتا ہے کہ طوطا پر پھڑپھڑا کر اڑتا ہوا دیوار پر جابیٹھا اور کہا کہ اے تاجر دوست میں تمہارا بہت ممنون ہوں، تم نے خود میری آزادی کا وسیلہ فراہم کیا۔ میں مرا نہیں تھا بلکہ خود کو مردہ ظاہر کیا تھا اور یہ وہ سبق تھا جو ان (ہندوستان کے) طوطوں نے مجھے سکھایا تھا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ میں یہاں پنجرے میں قید ہوں، تو انہوں نے سوچا کہ کس زبان سے مجھے نجات کا راستہ بتائیں ، تو انہوں نے عملی طور پر مجھے نجات کی راہ دکھائی اور مجھے بتایا کہ یہ عمل انجام دوں تو نجات پاجاو ں گا۔ یعنی مرجاو تاکہ زندہ ہوسکو۔

میں نے ان کا پیغام تیرے ذریعہ حاصل کیا اور یہ وہ عملی درس تھا جو مکانی فاصلے کے باوجود وہاں سے میرے پاس پہنچا اور میں نے اس سے استفادہ کیا۔

ہم نے بیس اور کچھ سال قبل ان برداران و خواہران سے جو یہ سن رہے تھے کہا تھا کہ عزیزو ! امام حسینؑ کس زباں سے کہیں کہ آپ کی ذمہ داری کیا ہے؟

حالات ویسے ہی حالات ہیں، زندگی ویسی ہی زندگی ہے، اسلام بھی وہی اسلام ہے۔ امام حسینؑ نے تمام آئندہ نسلوں کو عملاً بتادیا۔ اگر امام حسینؑ کی زبان سے جاری ہونے والا ایک حرف بھی نقل

Presented by www.ziaraat.com

نہیں ہوتا تب بھی ہمیں اپنے فریضہ کو جان لینا چاہئیے تھا۔ ایسی قوم جو قید و بند کا شکار ہے۔ جسے اپنے سربراہوں کے فساد کا سامنا ہے۔ ایسی قوم جس پر دشمنان دین کی حکومت ہے اور جنہوں نے ان کی زندگیوں کو اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔ ہر زمانے کے ایسے لوگوں کو جان لینا چاہئیے کہ ان کی ذمہ داری کیا ہے۔ جس طرح فرزند پیغمبر ؐ، امام معصومؑ نے بتایا کہ ایسے حالات میں کیا کرنا چاہئیے ۔ یہ زبان سے کہنے سے نہیں ہوسکتا تھا۔ اگر سو زبانوں سے بھی اس بات کو بیان فرماتے لیکن خود عملاً کرکے نہ دکھاتے تو ممکن نہ تھا کہ یہ پیغام آئندہ نسلوں تک پہنچتا۔ تاریخ کو محض نصیحت کرنے اور زبان سے کہنے سے عبور نہیں کیا جاسکتا۔ ہزار طرح سے بیان کریں لیکن عمل ساتھ ہونا چاہئیے اور وہ بھی ایسا عظیم عمل ، ایسا سخت عمل، ایسی با عظمت فداکاری جس کا مظاہرہ امام حسینؑ نے کیا اور عاشورائ کے دن جو نظارہ ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے اس کے متعلق یہ کہنا بجا ہے کہ وہ تمام حوادث جو ہمیں تاریخ انسانی میں نظر آتے ہیں ان سب کے مقابل حادثہ کربلا اب بھی یکتا و بے نظیر ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اسلام ؐ نے فرمایا ، امیر المومنینؑ نے فرمایا ، امام حسنؑ نے فرمایا وہ بات جو روایات میں ہے کہ کوئی دن تمہارے جیسا ، تیرے عاشورا جیسا ، تیری کربلا جیسا، تیرے حادثے جیسا نہیں۔

آج بھی روز عاشورائ ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ مصائب کے چند جملے عرض کروں۔ کربلا مکمل طور پر مصائب سے معمور ہے۔ عاشورائ کا ہر حادثہ گریہ آور اور دردناک ہے۔ جس حصہ کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔ جب سے امام کربلا میں داخل ہوئے، امام حسینؑ کی گفتگو ، ان کے الفاظ، ان کے خطبات ، ان کا شعر پڑھنا ، ان کا موت کی خبر دہرانا ، بہن سے گفتگو کرنا، بھائیوں سے عزیزوں سے باتیں کرنا یہ سب چیزیں مصیبت ہیں۔ یہاں تک کہ شب عاشور اور روز عاشورائ اور ظہر و عصر عاشورائ ..... ان میں سے ایک گوشے کا میں ذکر کرتا ہوں۔ یہ ایام ایام گویہ و بکا ہیں اور ہم بھی جس جگہ بھی سنتے ہیں۔ میں بھی اس عظیم حسینی دعوت میں مختصراً شریک ہونے کے لئے یہ چند کلمات عرض کررہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ملت جس نے راہ خدا میں ہزاروں جوان فدا کئے ہیں۔ شاید اس اجتماع میں ہزاروں افراد ایسے ہوں جن کے جوان فدا ہوئے ہوں۔ سوچتا ہوں امام حسینؑ کے جوانوں کے بارے میں چند کلمات عرض کروں۔

ہم سب سے کہتے ہیں کہ مصائب کے متن کو پڑھیں۔ بندہ چاہتا ہے کہ ابن طاوو س کی کتاب لھوف کا متن آپ کے گوش گزار کرے تاکہ آپ دیکھیں کہ متن میں مذکور مصائب کیسے ہوتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کتاب میں درج چیز کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ بلکہ اسے بنانا سوارنا چاہئیے۔ ہاں ، بسا اوقات اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن ہم اس کتاب سے چند کلمات پڑھتے ہیں۔ یہ ابن طاوو س

Presented by www.ziaraat.com

کی کتاب لھوف ہے۔ یہ چھٹی صدی کے نامور شیعہ علمائ میں سے ہیں، علمائ کے گھرانے سے ہیں۔ دیندار گھرانے سے ہیں اور یہ سب نہایت اعلیٰ پائے کے لوگ تھے۔ خاص طور پر یہ دو بھائی یعنی علی بن موسیٰ بن جعفر بن طاوو س اور احمد بن موسیٰ بن جعفر بن طاوو س ۔ یہ دونوں بھائی بزرگ علمائ و مولفین میں سے ہیں۔ یہ کتاب سید علی بن موسیٰ بن جعفر بن طاوو س کی ہے۔ ہمارے ذاکرین کے بقول اس کتاب کی عبارات ، روایات کی مانند پڑھی جاتی ہیں۔ میں اس کتاب سے پڑھتا ہوں۔

کہتے ہیں جب تمام اصحاب امام حسینؑ شہید ہوگئے اور ان کے افراد خانہ کے سوا کوئی باقی نہ بچا تو علی اکبرؑ خیمہ گاہ سے باہر تشریف لائے۔ علی اکبرؑ خوبصورت ترین جوانوں میں سے تھے۔ آپؑ اپنے والد گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی باباجان اجازت دیجئے کہ جنگ کے لئے جاو ں اور اپنی جان آپؑ پر قربان کروں۔ امامؑ نے بغیر کسی پس و پیش کے انہیں اجازت دے دی۔ یہ (علی اکبرؑ) امامؑ کے اصحاب ۔ بھتیجوں ، بھانجوں میں سے نہ تھے جو امام ان سے کہتے کہ نہ جاو ۔ یہ خود ان کے جسم کا ٹکڑا ہے۔ ان کا پارہ جگر ہے۔ جب وہ جانا چاہتا ہے تو حسینؑ کو چاہئیے کہ اسے جانے کی اجازت دیں۔ یہ امام حسینؑ کا انفاق ہے۔ یہ امام حسینؑ کا اسماعیل ہے جو میدان کی جانب گامزن ہے۔ امامؑ نے انہیں جانے کی اجازت دی۔

جب علی اکبرؑ میدان کی طرف جانے لگے تو امامؑ نے ایک حسرت بھری نگاہ ان کے سراپے پر ڈال کر فرمایا خدایا! تو گواہ رہنا ایسے جوان کو جنگ اور موت کے منہ کی طرف بھیج رہا ہوں جو ہر لحاظ سے پیغمبر ؐ کی شبیہہ تھا۔ چہرے مہرے سے بھی گفتگو کے انداز سے بھی، اخلاق میں بھی ، ہر ہر پہلو سے۔ کیسا جوان تھا۔۔۔؟ جس کا اخلاق سب سے زیادہ پیغمبر ؐ سے مشابہ تھا، جس کا قیافہ بھی سب سے زیادہ پیغمبر ؐ سے مشابہ تھا، اس کا گفتگو کرنا بھی سب سے زیادہ پیغمبر ؐ سے مشابہ تھا۔

آپ سوچئے کہ امامؑ ایسے جوان سے کس قدر محبت کرتے ہوں گے؟ اس جوان سے صرف اسی لئے عشق نہیں کرتے کہ یہ ان کا فرزند ہے بلکہ اس لئے کہ یہ شبیہہ پیغمبر ؐ ہے۔وہ حسینؑ جو پیغمبر ؐ کی گود میں بڑے ہوئے تھے، اس بیٹے سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کے لئے اس بیٹے کا میدان میں جانا بہت گراں ہے۔ بالآخر علی اکبرؑ گئے۔ مرحوم ابن طاوو س نقل کرتے ہیں کہ یہ جواں میدان جنگ میں آیا اور خوب جنگ کی۔ اس کے بعد اپنے والد کے پاس آئے اور فرمایا ، بابا جان پیاس نے مجھے نڈھال کردیا ہے۔ اگر آپ کے پاس تھوڑا سا پانی ہو تو مجھے دے دیجئے۔ حضرت نے انہیں جواب دیا اور وہ دوبارہ میدان کی سمت واپس پلٹ گئے۔ حضرت ؐ نے جواب میں فرمایا کہ جاو میدان جنگ کی طرف جاو کچھ ہی دیر بعد اپنے جد کے ہاتھ سے سیراب ہوجاو گے۔ علی اکبرؑ میدان جنگ میں پلٹ کر آئے۔ عظیم الشان جنگ کی، انتہائی شجاعت کے ساتھ لڑے، ناگہاں اشقیائ میں سے ایک نے انہیں اپنے

Presented by www.ziaraat.com

نیزے کے نشانے پر لیا۔ جس کے نتیجے میں یہ گھوڑے سے زمین پر گر پڑے اور جوان کی صدا بلند ہوئی کہ بابا جان خدا حافظ ، یہ میرے جد پیغمبر ؐ آپ ؑکو سلام کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میرے فرزند حسینؑ جلد آجاو ، میرے پاس آئیے اس کے بعد علی اکبرؑ نے ایک آہ کھینچی اور ان کی روح بدن سے پرواز کر گئی۔

امام حسینؑ نے جوں ہی اپنے فرزند کی صدا سنی میدانِ جنگ کی طرف لپکے جہاں ان کا جوان زمین پر پڑا ہوا تھا۔ امامؑ جو ان کے سرہانے تشریف لائے اور اپنا چہرہ مبارک علی اکبرؑ کے چہرے پر رکھ دیا اور یہ کلمات بیان فرمائے۔ راوی کہتا ہے، ایسا شخص جس نے اس واقعہ کو نزدیک سے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے نقل کرتا ہے، کہتا ہے کہ ایک وقت میں نے دیکھا کہ حضرت زینبؑ خیمہ سے باہر آئیں۔ ان کی صدا بلند ہوئی اے عزیز من ، اے میرے بردار زادے ، آگے بڑھیں اور خود کو علی اکبرؑ کے بے جان پیکر پر گرالیا۔

حضرتؑ آگے بڑھے ، اپنی بہن کو بازو سے پکڑا، انہیں علی اکبرؑ کے جسد اطہر سے اٹھایا اور عورتوں میں بھیج دیا ۔ مناسب نہ تھا کہ وہ (زینبؑ) میدان جنگ میں رہیں۔

اگر ان کلمات کو پڑھا جائے تو سننے والوں کا دل پانی پانی ہوجائے۔

ایک بات میرے ذہن میں آتی ہے۔ جب حضرت زینبؑ آئیں۔ یہ جملہ ابن طاوو س کا ہے، اور روایات میں سے ہے جو لازماً صحیح اخبار کے ذریعہ نقل کی گئی ہے۔ امام حسینؑ کے متعلق نہیں کہا کہ انہوں نے اپنے آپ کو علی اکبرؑ کے اوپر گرالیا ، امام حسینؑ نے صرف اپنا چہرہ جوان کے چہرے پر رکھا۔ مگر وہ جس نے خود کو علی اکبرؑ پر گرایا وہ زینب کبریٰ تھیں۔ مجھے خیال آتا ہے کہ یہ زینب بزرگوار ، یہ سادات کی پھوپھی ، جس کے اپنے دو جوان فرزند بھی کربلا میں شہید ہوئے تھے، اس کے اپنے دو علی اکبرؑ شہید ہوئے تھے--- میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا کہ جب زینب کے بچے شہید ہوئے تو انہوں نے کسی رد عمل کا اظہار کیا، مثلاً نہ ہی انہوں نے کوئی آہ و فغاں کی، نہ ہی گریہ و نالہ بلند کیا اور نہ ہی خود کو ان کے اجساد مطہرہ پر گرایا، یہ ہمارے زمانے کے شہدائؑ کی مائیں زینب کی بتائی ہوئی راہ ہی پر عمل پیرا ہیں۔ میں نے بہت کم دیکھا ہے کہ ایک ، دو اور تین تین شہیدوں کی مائیں عجز و ضعف کا شکار ہوئی ہوں۔ یہ مائیں یقیناً شیرنیاں ہیں۔ انسان دیکھتا ہے کہ یہ زینب کبریٰ ان ماو ں کا اصل نمونہ ہیں۔ ان کے دو جوان بیٹے عون و محمد شہید ہوئے۔ انہوں نے کوئی رد عمل ظاہر نہ کیا۔ لیکن اپنے بیٹوں کے علاوہ دو جگہ پر انہوں نے خود کو شہدائؑ کے لاشوں پر گرایا۔ ایک یہی جگہ ہے جہاں وہ علی اکبرؑ کے سرہانے آئیں اور بے اختیار خود کو علی اکبرؑ کے جسم پر گرایا، ایک عصر عاشورائ ہے جب انہوں نے خود کو اپنے بھائی حسینؑ کے جسد اطہر پر گرایا۔ ان کی صدا بلند

Presented by www.ziaraat.com

ہوئی اور اور کہا اے رسول اللہ ؐ ، اے پیغمبر خدا ، یہ آپ کا حسین ہے، یہ آپ ؐ کا عزیز اور پارہ تن ہے۔۔۔۔ کس قدر مصائب برداشت کئے۔

دوسرا خطبہ شروع کرنے سے قبل بارگاہ خدا میں دست دعا درازکرتا ہوں، ان اشک بار آنکھوں سے خداکو پکارتے ہیں، جمعہ کا روز اور وقت ظہر ہے ان شائ اللہ خدا ہم پر اپنی برکات و نعمات نازل فرمائے گا۔

" پروردگار ! تجھے حسینؑ و زینبؑ کی قسم ہمیں ان کے چاہنے والوں اور پیروکاروں میں قرار دے۔

پروردگارا! ہماری زندگی کو حسینیؑ زندگی قرار دے۔

پروردگارا! ہماری موت کو حسینیؑ موت قرار دے۔

پروردگارا! ہمارے عزیز امام کو جنہوں نے ہماری اس راہ کی طرف ہدایت کی، شہدائے کربلا کے ساتھ محشور فرما۔

پروردگارا! ہمارے عزیز شہدائ کو شہدائ کربلا کے ساتھ محشور فرما۔

پروردگارا! وہ لوگ جنہوں نے خداکی راہ میں، اس انقلاب کی راہ میں، اسلام کی راہ میں اپنی جانوں کی بازی لگائی ہے ، ہمارے عزیز جانباز ، ایثار گر، آزاد شدہ اُسرا اور وہ لوگ جو ابھی تک دشمنوں کی قید میں ہیں انہیں اپنے فضل و رحمت کے خزانے سے مالا مال کردے۔

پروردگارا! اس امت و ملت پر اپنی رحمت نازل فرما۔

پروردگارا! اس ملت کی تمام مشکلات کو اپنی رحمت ، تدبیر اور حکمت سے برطرف فرما۔

پروردگارا! اس عظیم ملت ، ملت حسینیؑ و عاشورائی کو تمام چھوٹے بڑے دشمنوں پر فاتح قرار دے۔

پروردگارا! اس کے دشمنوں کو مایوس و ناکام فرما۔

پروردگارا! اسلام کو ہمارے درمیان روز بروز زندہ و شاداب تر فرما۔

پروردگارا! وہ لوگ جو ہماری اس ملت کے لئے ، ملک کے لئے ، اس امت کے لئے زحمتیں اٹھا رہے ہیں، ہر لحاظ سے خدمت کررہے ہیں، مخصوصاً حکومت کے وہ عہدیدار جو دل سے خدمت کررہے ہیں ان کا بہترین اجرا نہیں عطا فرما۔

پروردگارا! ہماری اموات کی بخشش فرما۔

پروردگارا! ہمارے مریضوں کو شفائ عطا فرما۔

پروردگارا! ہماں باپ اور اساتید کو اپنے فضل و رحمت میں شامل فرما۔

پروردگارا! وہ تمام افراد جو کسی قسم کی کوئی حاجت رکھتے ہیں، جنہوں نے ہم سے دعا کی التماس کی ہے کہ ان کے مسائل تیری درگاہ میں لے کر آئیں اے پروردگارا! ان کی حاجات کو دور فرمادے۔

Presented by www.ziaraat.com

پروردگارا! بحق محمد و آل محمد دنیا کے گوشہ و کنار میں پھیلی ہوئی امت مسلمہ کو سربلند فرما، انہیں حسینیؑ فریضے کی تعلیم فرما اور انہیں اس کے انجام دینے کی توفیق عطا فرما۔

پروردگارا! تجھے محمد و آل محمد ؐ کی قسم قلب مبارک امام زمان کو ہم سے راضی و خوشنود فرمادے۔

پروردگارا! تجھے محمد و آل محمد ؐ کا صدقہ ہمیں ان کے ساتھیوں میں سے قرار دے، ہمیں ان بزرگوار کی زیارت کی توفیق عطا فرما۔

پروردگارا! تجھے محمد و آل محمد ؐ کا صدقہ ہمیں ہر خیر عنایت فرما اور ہر شر سے اپنے حفظ و امان میں رکھ۔

والسلام علیکم

ورحمة الله وبرکاته

Presented by www.ziaraat.com